ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ
مطابق ۷ جنوری ۲۰۲۴ء

بچوں کا اسلام

1116

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

اب بھی نہیں؟

کوٹھڑی کا بھوت

القرآن

نیک لوگوں کی آرزو

اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم تک پہنچا ہے اُس پر ایمان نہ لے آئیں اور اِس بات کی آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا، سو انھیں اللہ تعالیٰ ان کے قول کے عوض ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان نیکو کاروں کا یہی بدلہ ہے۔

(سورۃ المائدہ: آیت 84 اور 85)

الحدیث

کثرتِ دنیا کی آرزو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اگر ابنِ آدم کو مال سے بھری ایک وادی مل جائے تو یہ دوسری وادی کی حرص و آرزو کرے گا حالانکہ ابنِ آدم کی حرص و آرزو کی بھوک تو قبر کی مٹی ہی ختم کر سکتی ہے۔‘‘

(صحیح بخاری)

دستک

اللہ کرے حُسنِ رقم اَور زیادہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کتاب کافی دیر سے ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس کا دلکش سرورق دیکھتے ہوئے ماضی کا ایک دریچہ ہم پر کھل گیا ہے۔

وہ نام جو اِس کتاب کی پیشانی پر بطور کہانی کار ثبت ہے، ہمیں آج بھی یاد ہے کہ سب سے پہلے بچوں کا اسلام ہی میں ہم نے دیکھا تھا۔

وہ بھی سسپنس سے بھرپور ایک جاسوسی کہانی ہی تھی جس کی پہلی ہی سطر نے ہمیں یوں جکڑ لیا کہ ہم جو رسائل کی بس سرسری سی ورق گردانی ہی کرتے تھے، اس کہانی کے ساتھ بے اختیار بہتے چلے گئے، حتیٰ کہ جب بالکل ہی غیر متوقع انجام پڑھا تو حیرت بھری خوشگواری کے ساتھ ایک بار پھر کہانی کار کے نام پر نگاہ ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

ایک تو اچھی کہانی، دوسرے اپنے منفرد لاحقے ’کوہستانی‘ کی وجہ سے کہانی کار کا نام ہماری یادداشت کی پٹاری میں کہیں گہرائی میں محفوظ ہو گیا، سو اس کے بعد بھی اِس نام کے ساتھ جڑی دلآویز کہانیوں کو ہمیشہ ذرا اہتمام کے ساتھ پڑھا اور یوں اس نام سے بنا ملے ہی ایک شناسائی سی ہو گئی جو بالآخر ۲۰۱۷ء میں پہلی ملاقات سے گہری آشنائی میں بدل گئی۔

ادبِ اطفال کے یہ ’’قصہ گو‘‘ یوں تو چھوٹے بچوں کو بھی بہت مزے مزے کی کہانی سناتے ہیں، جس کا تھوڑا سا اندازہ اُن کی حال ہی میں ننھے بچوں کے لیے شائع ہوئی کتاب ’’اور جال میں پھنس گئے‘‘ سے لگایا جا سکتا ہے لیکن اِن کا خاص ہنر نوعمروں کے لیے جاسوسی ادب لکھنا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں موجود اِس کتاب میں بھی ساری ایسی ہی کہانیاں ہیں جن میں جرم وسزا کا موضوع مقامی رنگ میں عالمی آہنگ کے ساتھ نظر آتا ہے۔

عالمی آہنگ اِس لیے کہا کہ یوں تو جرائم کے محرکات تو پوری دنیا میں ایک جیسے ہی ہوتے ہیں مگر جرم اور اس کی تفتیش کے طریقے عام طور پر مشرق اور مغرب میں بہت الگ ہوتے ہیں۔ اعظم طارق کوہستانی کی جرم وسزا پر مشتمل کہانیوں کا یہی نیا پن ہے کہ انھیں پڑھتے ہوئے نوعمر بچوں کا ذہنی کینوس زیادہ وسیع زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ نیز ہمارے ہاں عام طور پر بچوں کے لیے جو جاسوسی ادب لکھا جاتا ہے اس میں منطقی جھول بہت زیادہ ہوتے ہیں، اعظم طارق کی کہانی میں یہ بات نہیں، جو بہت خوش آئند ہے۔

ویسے بات چلی ہے تو بتاتے چلیں کہ اعظم بھائی صرف لکھاری کی حیثیت سے ادبِ اطفال کی خدمت نہیں کر رہے بلکہ بچوں کے معیاری ادب کے فروغ کے لیے ہمہ جہت کام کر رہے ہیں۔ آپ کا ایم فل کا مقالہ ’’پاکستان میں بچوں کے اردو رسائل (۱۹۷۱ء تا ۲۰۰۰ء)‘‘ اپنی جگہ خود ادب اطفال کی بڑی خدمت ہے۔ جس کا ایک خوبصورت ٹکڑا آپ نے بچوں کا اسلام کے ہزارویں شمارے الف نمبر میں ملاحظہ کیا ہوگا۔ علاوہ ازیں آپ مختلف تعلیمی اداروں میں بچوں کو مفید ورکشاپ کرواتے ہیں، بچوں کی کتابیں چھاپتے ہیں، اور ہاں چھوٹے بچوں کے ایک نہایت خوبصورت اور اپنی طرز کے منفرد رسالے ’’بچوں کا آشیانہ‘‘ کے مدیر بھی ہیں، (اس رسالے کے مدیر اعلیٰ کا نام دیکھ کر یقیناً آپ سب کو حیرت کا جھٹکا لگے گا)!

زیر تبصرہ کتاب ’’قتل کا معما‘‘ نوعمر بچوں کے لیے لکھی گئی پرتجسس کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اِن کہانیوں میں دلچسپی کے دیگر لوازمات اور جاسوسی کہانیوں کے فنی محاسن کے ساتھ ساتھ بچوں میں اپنے دین و وطن سے محبت کا جذبہ پروان چڑھانے کے وافر سامان ہیں۔

زیادہ کچھ کہنے کے لیے جگہ ہے اور نہ ہی کہانی کار کو ضرورت، آپ کتاب پڑھیں گے تو اندازہ ہو ہی جائے گا، سو اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتے ہیں کہ

خط ان کا بہت خوب، عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حُسنِ رقم اَور زیادہ

میاں کوہستانی!

ہم اور ہمارے بچے ایسی مزید دلکش کتابوں کے منتظر رہیں گے……!

والسلام
مدیر مسئول
مُحمّد فیصل شہزاد

بے شک یقین ہے!

جرار علی

’’آج رات ہم یہیں قیام کریں گے۔‘‘

قافلے کا سردار قافلے والوں سے مخاطب تھا۔

’’کچھ سپاہی رات کے وقت نگرانی کریں گے، اِس لیے ہمیں ڈاکوؤں سے کوئی خطرہ نہیں۔کل دوپہر کو ان شاءاللہ آپ سب لوگ ’رے‘ شہر کی فصیل دیکھ سکیں گے۔‘‘

یہ بات سن کر میں نے سکھ کا سانس لیا۔

عام طور پر مجھے سفر کی اجازت نہیں ملتی تھی لیکن رے شہر میں ماموں نے قبیلے والوں کو دعوت دی تھی اور کسی ایک فرد کی شرکت لازمی تھی۔ فارغ ہونے کی وجہ سے میں نے ہامی بھری تھی اور وہ بھی اس شرط پر کہ میں اکیلا سفر کروں گا۔

میرے ابو پہلے تو نہیں مانے لیکن پھر میرے اصرار پر اجازت دے دی، اور آخر چار دن کے صبر آزما سفر کے بعد میں رے شہر پہنچنے والا تھا۔

’’آپ سب لوگ اپنے اونٹ اور گھوڑے ایک جگہ باندھ دیں۔ہم پہلے خیمے لگا کر آگ جلائیں گے، پھر نماز کی تیاری کریں گے۔صحرا کی رات کی ٹھنڈک جان لیوا ہوسکتی ہے۔‘‘

میں نے اپنے اونٹ کی رسی پکڑی اور اسے باقی لوگوں کے اونٹوں کے ساتھ باندھ دیا۔

ایک برتن میں پانی ڈال کر اونٹ کے سامنے رکھا تو مجھے احساس ہوا کہ اونٹ اور باقی جانور پیاس سے نڈھال تھے۔آج کا سفر شاید جانوروں پر کافی سخت گزرا تھا۔

خیمے لگانے کے بعد آگ جلائی گئی اور پھر نماز کی تیاری کی جانے لگی۔

نماز میں ابھی کچھ وقت تھا تو میں نے اپنے ساتھ کھڑے ایک حبشی سے باتیں شروع کردیں۔ اتنے میں دو تین لوگ اور آ گئے اور ہم سب باتوں میں مشغول ہو گئے۔تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ مختلف جگہوں سے تھے۔حبشی بولا کہ وہ مصر سے ہے۔

’’تم لگتے بھی وہیں کے ہو۔‘‘

ایک شخص جس کا نام طلحہ تھا چہکتے ہوئے بولا تو سب لوگ ہنس پڑے۔

حبشی بھی شرمندہ سا ہنس دیا۔

’’کیا تمھارے قبیلے میں سبھی لوگ ایسے ہی تارکول سے کالے ہیں؟‘‘

طلحہ نے پھر چٹکی بھری تو حبشی اس بار بھی خاموش رہا۔

اسی وقت میں نے طلحہ سے اس کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو بات بدل گئی۔

کچھ دیر بعد طلحہ نگرانی کے لیے چلا گیا۔

نماز کے دوران میں اور اس کے بعد بھی میں نے جب بھی حبشی کی طرف دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ مجھ سے نظریں چرا رہا تھا۔نماز کے بعد ایک بزرگ بیان کرتے تھے۔

میں حبشی کے پاس بیٹھ گیا۔ بزرگ آئے اور ہمارے سامنے بیٹھ کر بیان شروع کیا۔

’’لوگو! اپنے استاد کی کبھی نافرمانی مت کرنا سوائے کچھ باتوں میں۔اُن سے کبھی بدتمیزی مت کرنا۔جس طرح ایک قافلے کا سردار جانتا ہے کہ اس کے قافلے میں کتنے سفر کی ہمت ہے، اسی طرح ایک استاد بھی جانتا ہے کہ اس کا شاگرد کتنی ہمت رکھتا ہے۔ہم نے کافی لوگوں کو دیکھا جو شروع میں دین میں کافی جوش وخروش دکھاتے ہیں لیکن بعد میں جب اُن سے نماز پڑھنے کو بھی کہا جائے تو نگرانی کا بہانہ کر کے کھسک جاتے ہیں۔‘‘

بزرگ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اپنے پیچھے کھڑے طلحہ کو دیکھا۔

’’کیوں طلحہ ایسا ہی ہے ناں؟‘‘

’’جی ابو جی! ایسا ہی ہے۔‘‘ طلحہ نے سر جھکا لیا۔

یہ سن کر بزرگ سمیت تمام لوگ ہنس پڑے، یہاں تک کہ میرے سامنے حبشی بھی مسکرا رہا تھا۔

’’استاد کسی طالب علم کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا، اگر کرے تو انصاف کرنے کے لیے اللہ موجود ہے۔کیا تمھیں اُس کے انصاف پر یقین نہیں ہے؟‘‘

’’بے شک ہمیں یقین ہے۔‘‘ تمام لوگ یک زبان بولے۔

میں نے مسکرا کر ایک نظر مسکراتے حبشی اور سر جھکائے طلحہ کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔

’’بے شک یقین ہے۔‘‘

☆☆☆

ہمارے گھر میں جب داؤد آیا!

اثرؔ جونپوری

سروں پر پھر خوشی کا ابر چھایا
ہمارے گھر میں جب داؤد آیا
اذاں دی کان میں نانا نے اُس کے
نہا کر جب سرِ آغوش آیا
ہنسا تو ہو گئی گلزار دنیا
وہ رویا تو زمانہ مسکرایا
ہیں خالہ اور پھوپی اس پہ واری
چچا تایا سبھی کو خوب بھایا
ہے تیری مصلحت ہر شے میں مخفی
وہ دیر آیا درست آیا خدایا
میاں فیضان اُڑتے ہیں فضا میں
کہ جب اولاد کا انعام پایا
نہ کیوں اطفال کی تقدیر چمکے
بزرگوں کا رہے سر پر جو سایا

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

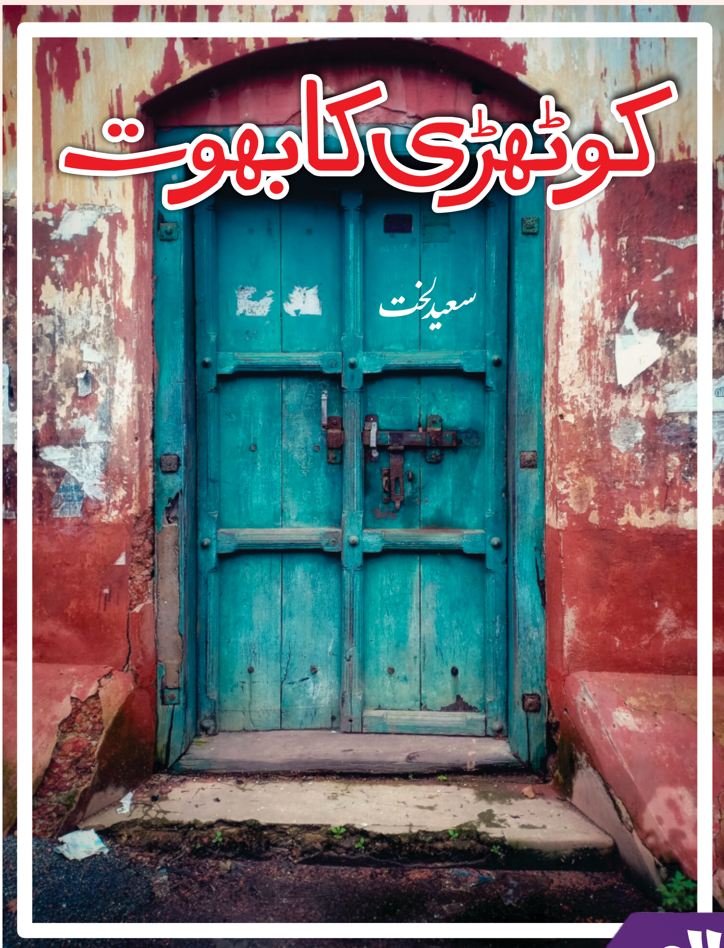

امتحان قریب تھا۔ رات بھر پڑھ پڑھ کر پچھلے پہر آنکھ لگی ہی تھی کہ کسی نے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں سمجھا کوئی چور ہے۔ ایک دم اٹھ کر بھاگا، مگر چور نے راستے ہی میں پکڑ لیا اور آہستہ سے بولا: ''ارے بھئی میں ہوں میں، آنکھیں تو کھولو!''

اب جو آنکھیں کھولیں تو سامنے آپا جان تھیں۔

''ارے آپا جان!......آپ؟''

بولیں: ''اور نہیں تو کیا چور؟ سنو تو سہی، یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں۔''

میں نے کان کھڑے کیے تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی درد کے مارے کراہ رہا ہے۔

''اوں، اوں، ہوں، ہوں۔''

خوف کے مارے میری تو جان ہی نکل گئی۔

ایک ہی جست میں ابا جان کی چارپائی پر دھم سے جا گرا۔

وہ بے چارے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر بولے:

''کک کیا بات ہے، منے بیٹے؟''

''بھ بھ بھ بھوت۔'' میں نے کانپتے ہوئے کہا: ''اوپر چھت پر بھوت ہے۔''

اس ہڑبونگ میں امی جان کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ سوالیہ نشان بنی ہماری صورت تک رہی تھیں۔

''منا کہتا ہے اوپر چھت پر کوئی بھوت ہے، سوتے میں ڈر گیا ہے شاید۔''

ابا جان نے امی کو سمجھایا۔

وہ بولیں: ''ہے ہے! میں نہ کہتی تھی، اس گھر میں ضرور کوئی آسیب ہے۔ کل دوپہر میں بھی اوپر گئی تھی کہ اس کوٹھڑی کو کھول کر دیکھوں مگر دہشت ناک آوازیں سن کر الٹے پاؤں لوٹ آئی تھی۔''

ابا جان بولے: ''کیسی باتیں کرتی ہو؟ بچے تو خیر بچے ہیں، تم بڑھاپے میں چڑیل بھوتوں سے ڈرتی ہو، چلو بیٹا! مجھے دکھاؤ کہاں ہے وہ بھوت۔''

اوپر پہنچے تو آپا جان نے کہا:

''میں سو رہی تھی کہ کسی کے رونے کی آواز آئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی کسی کا گلا گھونٹ رہا ہے۔''

ابا جان بولے: ''بیٹی! شاید پڑوس میں کسی کو کوئی تکلیف ہو۔''

''نہیں ابا جان! آواز تو یہیں کہیں سے آ رہی ہے۔'' آپا جان نے کہا۔

ابا جان نے پوچھا: ''یہیں کہیں سے؟......یعنی؟''

سب کی نگاہیں کوٹھڑی کے پرانے دیمک کھائے دروازے پر لگ گئیں، جس پر ایک زنگ لگا تالا پڑا جھول رہا تھا۔ چھت پر صرف وہی ایک کوٹھڑی تھی۔

ابا جان آہستہ آہستہ کوٹھڑی کی طرف بڑھے اور قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اندر سے کسی نے جیسے ڈانٹ کر کہا: ''ہوں ہوں......غرررر۔''

امی جان لرز کر بولیں:

''ہے ہے، خدا کو مانیں، ضرور کوئی نہ کوئی بھوت ہے۔''

''ابا جان! صبح کو کیوں نہ دیکھیں؟''

میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

امی جان شہ پا کر بولیں: ''ہاں ہاں، صبح کوئی دور تھوڑی ہے اور پھر اس وقت تالا کھولنا بھی تو مشکل ہوگا۔''

آپا جان نے بھی امی جان کی ہاں میں ہاں ملائی اور یوں معاملہ صبح پر ٹل گیا۔

تقسیم کے بعد ہمیں پاکستان آئے چھے ماہ ہو گئے تھے مگر پانچ ماہ تک کوئی مکان الاٹ نہ ہوا تھا۔ ہم لوگ اپنے ایک رشتے دار کے ہاں رہ رہے تھے۔ آخر ابا جان کو لاہور میں ایک جگہ ملازمت مل گئی اور بہت دوڑ دھوپ کے بعد ہمیں یہ مکان مل گیا تھا۔ اس میں دو کمرے تھے اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے۔ ایک ٹوٹا پھوٹا باورچی خانہ تھا۔ اوپر چھت پر ایک کوٹھڑی تھی جس میں وہ کم بخت بھوت رہتا تھا۔

جس رات یہ واقعہ پیش آیا، ہمیں اس گھر میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔

نیچے کے کمرے تو ہم نے جھاڑ پونچھ کر ٹھیک کر لیے تھے مگر اوپر کی کوٹھڑی ویسے ہی چھوڑ دی تھی کہ پھر کبھی فرصت میں اسے دیکھیں گے۔

وہ رات تو جوں توں کر کے کاٹی، صبح ہوئی تو ہم سب اوپر پہنچے۔

ابا جان نے کوٹھڑی کا تالا کھولا۔

کواڑ بہت پرانے تھے۔ اندر خدا جانے کیا کیا الا بلا بھرا ہوا تھا۔

ابا جان نے کہا کہ اس کوٹھڑی کی آج ہی صفائی ہونی چاہیے مگر امی جان نے دہائی مچا دی: ''پہلے کسی عامل کو بلا کر بھوتوں کو نکالیں، پھر اس کوٹھڑی کو ہاتھ لگائیے گا۔ ان بھوتوں کا کیا بھروسا، ذرا سی دیر میں لاکھ کا گھر خاک کر دیں۔''

ابا جان کو پیچھے ہٹنا ہی پڑا۔

اور پھر شام ہوتے ہوتے یہ خبر سارے محلے میں مشہور ہوگئی۔ پڑوس کی عورتیں اور بچے ہمارے گھر آتے ہوئے گھبرانے لگے کہ کہیں بھوت انھیں نہ چمٹ جائیں۔

ابا جان حیران تھے، آپا جان پریشان اور میرا اور امی جان کا مارے خوف کے بُرا حال تھا۔ آخر ایک دن ابا جان ایک صاحب کو لے آئے۔ انھوں نے ایک سفید مرغا حلال کیا، ایک سیر حلوا پکوا کر فاتحہ دی اور دس روپے نذرانہ لے کر چلے گئے۔

رات کو ہم سب کوٹھے پر چڑھے اور کان لگا کر سنا۔ کوئی آواز نہ آئی پھر یکایک ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے ساتھ ہی ''اوں اوں غرررر'' کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

صبح کو ابا جان پھر ان صاحب کو پکڑ لائے۔

انھوں نے پھر کچھ پڑھا، پھونکا اور پانچ سات روپے لے کر چلتے بنے لیکن وہ آوازیں کسی صورت بند نہ ہوئیں۔ آپا جان جل کر بولیں: ''ارے امی، بھوت ووت کوئی نہیں ہے، کوئی اور ہی بات ہے۔''

امی جان بولیں: ''چند کتابیں پڑھ کر تمھارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ لو بیگم صاحبہ اب بھوت پریت کو بھی نہیں مانتیں۔ میں کہتی ہوں، یہ بہت بُری بلا ہوتی ہے۔ میرے ایک رشتے کی پھوپی کے لڑکے کو ایک بھوت چمٹ گیا تھا۔ توبہ توبہ! یا اللہ تُو ہر بلا سے بچانا۔ مرتے مر گیا، اس بھوت نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔''

آپا جان بولیں: ''ارے امی! تصحیح کرلیں، وہ بھوت نہیں کوئی بھوتنی ہوگی۔''

☆......☆

ہمارے اسکول میں سائنس کے ایک استاد تھے، ماسٹر خوشی محمد جالندھری۔

ایک دن میں نے ان سے اس بھوت کا ذکر کیا تو بولے:

''میاں! یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ جنات تو ہوتے ہیں مگر بھوت پریت سب خیالی باتیں ہیں۔ اچھا چلو، تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا کہ بھوت پریت کوئی چیز ہے تو بھئی، وہ آوازیں کیسے نکالے گا؟ طبیعیات (فزکس) کا اصول ہے کہ مادے کو مادہ ہی حرکت دے سکتا ہے۔ اب کہانی والے بھوت کے نہ تو پھیپھڑے ہوتے ہیں اور نہ حلق۔ یہ سب تم لوگوں کا وہم ہے۔''

میں بولا: ''وہم نہیں، ماسٹر صاحب! آپ میرے ابا جان سے پوچھ لیجیے۔''

ماسٹر صاحب بولے:

''بڑی عجیب بات ہے! اچھا، آج شام کو ہم تمھارے گھر آئیں گے۔''

میں نے ماسٹر صاحب کو پتا بتا دیا اور وہ شام کے وقت پہنچ گئے۔

میں انھیں لے کر چھت پر گیا۔ اس وقت ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور کوٹھڑی میں سے چیخنے چلانے کی آوازیں بھی زور زور سے آرہی تھیں۔

ماسٹر صاحب نے کوئی پروا کیے بنا ایک دم دروازہ کھول دیا تو آوازیں رک گئیں۔

ماسٹر صاحب نے دروازہ بند کیا تو پھر آوازیں آنے لگیں۔

اب انھوں نے غور سے دروازے کو دیکھا، اس کی درزوں میں جھانکا اور پھر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

میں نے پوچھا: ''کیا بات ہے، ماسٹر صاحب؟''

بولے: ''بھئی، تمھارا بھوت پکڑا گیا۔ لو دیکھو، بھوت کواڑوں کی اِن جھریوں میں بند ہے۔''

میں نے غور سے دیکھا، کواڑوں کے شگاف بڑے بڑے تھے اور ان کے بیچ میں مکڑیوں نے موٹے موٹے جالے تان رکھے تھے۔

ماسٹر صاحب بولے: ''منے میاں! اصل میں یہ سب ہوا کا کیا دھرا ہے۔ جب ہوا کواڑوں کی اِن درزوں یعنی شگافوں میں سے گزرتی ہے تو مکڑی کے جالوں سے ٹکراتی ہے اور یہ جالے قسم قسم آوازیں پیدا کرتے ہیں۔ سمجھے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ہم کواڑ بند کرتے ہیں تو آوازیں آتی ہیں، کھولتے ہیں تو رک جاتی ہیں۔''

''ماسٹر صاحب! آپ کو دیکھ کر بھوت بھاگ جاتے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

بولے: ''یہ بات ہے؟ اچھا، تم کاغذ سے ان تمام شگافوں کو بند کردو۔ پھر دیکھو، کیسے آوازیں آتی ہیں۔''

میں نے کاغذ سے تمام جھریاں بھر دیں۔ ماسٹر صاحب نے کواڑ بند کردیے۔ ہم نے کافی دیر انتظار کیا مگر ایک آواز بھی نہ آئی۔ میرا حیرت کے مارے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

شام کو ابا جان آئے تو میں نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔ بہت خوش ہوئے۔

امی جان بولیں: ''اے وہ عامل نگوڑ مارا مفت میں ہمارے بیس پچیس روپے کھا گیا۔ اے لو، ہماری عقل پر بھی پردے پڑ گئے تھے!''

☆☆☆

معقول جواز

سلجوقی بادشاہ سلطان الپ ارسلان ایک بار کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ان کے باورچی کے ہاتھ سے سالن کا طباق چھلکا اور گرم گرم شوربا سلطان پر گر گیا۔

سلطان بہت متحمل مزاج تھے لیکن اس وقت غصہ آگیا۔ انھوں نے بے ساختہ باورچی کو ایسی غضب ناک نظروں سے دیکھا کہ اسے یقین ہوگیا کہ سلطان اس کے قتل کا ضرور حکم جاری کر دیں گے۔ اس وقت اس نے ایک بہت عجیب حرکت کی۔ اس نے باقی گرم سالن بھی سلطان پر الٹ دیا۔

مرسلہ: احمد فہیم۔ کوٹ ادو

اب تو اسے فوراً گرفتار کرلیا گیا۔

اگلے روز جب سلطان نے دربار لگایا تو اس باورچی کو بھی فیصلے کے لیے پیش کردیا گیا۔

الپ ارسلان نے نہایت تلخ لہجے میں اس سے پوچھا:

''تم سے پہلی بار تو گرم سالن اتفاق سے ہم پر گرا، جس سے ہمیں اذیت تو ہوئی مگر وہ محض ایک خطا تھی اس لیے بے وہ قابلِ درگزر تھی، لیکن دوسری بار سالن کا طباق تم نے قصداً خوب سوچ سمجھ کر ہم پر گرایا۔ کیا تم اپنی اس حرکت کا کوئی جواز یا کوئی تاویل پیش کرسکتے ہو؟''

''جناب! مجھے پہلی خطا پر اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا جس پر مجھے خیال آیا کہ اگر اس معمولی اور اتفاقی حرکت پر مابدولت نے مجھے موت کی سزا دے دی تو میرے آقا والی نعمت کو ظالم کہا جائے گا، جو مجھے کسی طور پر منظور نہ تھا۔ بس یہی سوچ کر میں نے آپ پر جان بوجھ کر طباق الٹ دیا کہ حضور کے صادر کردہ سزائے موت کے فیصلے کا کوئی معقول جواز تو موجود ہو اور آپ کے عدل وانصاف پر حرف نہ آئے۔''

سلطان الپ ارسلان بے ساختہ مسکرا دیے اور اسے معاف کردیا۔

☆☆☆

(آخری حصہ)

گیارھویں سینچری کا جائزہ

تبصرہ کتب: اِن سو شماروں میں چند کتب پر تبصرہ بھی شائع ہوا۔ ایک پولیس آفیسر کی ڈائری، مصنف آئی جی غلام رسول زاہد پر مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کا خوب صورت تبصرہ شمارہ ۱۰۲۶ میں شائع ہوا۔ ’یادوں کے گلاب‘ مصنف پروفیسر محمد اسلم بیگ پر بھی مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب نے خوب صورت تبصرہ کیا اور اس کتاب کو یادوں کا گلاب کی بجائے یادوں کا گلدستہ قرار دیا۔ یہ تبصرہ شمارہ ۱۰۶۹ میں ہے۔ ’زندگیوں کے سوداگر‘ مصنف محمد شاہد فاروق پھلور کی کتاب پر شمارہ ۱۰۷۷ میں حافظ محمد دانش عارفین حیرت صاحب نے خوب صورت تبصرہ کیا۔ ’کہانی ایک سفر کی‘ مصنف محترم و مکرم بھائی محمد فیصل شہزاد پر شمارہ ۱۱۰۰ میں پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب نے انتہائی خوب صورت اور دلچسپ تبصرہ کیا۔ بہت مزہ آیا۔

الف نمبر پر تبصرے اور تاثرات: چونکہ یہ سینچری الف نمبر کے بعد شروع ہوئی، اس لیے الف نمبر پر تبصرے اور تاثرات آمنے سامنے کے ساتھ ساتھ علیحدہ عنوانات سے کئی شماروں میں شائع ہوتے رہے۔ سب سے پہلے شمارہ ۱۰۰۳ میں شکریہ کے عنوان کے ساتھ بھائی محمد فضیل فاروق صاحب نے حصول الف کی روداد قارئین کے گوش گزار کی۔ محسن حیات شارق صاحب نے چھے اقساط میں الف نمبر کی جھلکیاں کے عنوان سے شاندار اور جامع تبصرہ لکھا۔ دوسرے نمبر پر طویل اور دلکش تبصرہ عنوان ’مدیر کی میز پر‘ عنوان سے اعظم طارق کوہستانی صاحب کا رہا۔ ان کے علاوہ پر لطف اور جامع تبصرے ’کہانی نگر کا راجا‘ کے عنوان کے ساتھ ف، ح کراچی اور ’الف نمبر کی سیر‘ کے عنوان کے ساتھ بھائی نور الامین صاحب کے رہے۔ دونوں تبصرہ نگاروں نے انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ تبصرہ کیا۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ رہی کہ ایک ایک جملے میں کئی کئی تحریروں کو ذکر کر دیا ہے۔

سب سے زیادہ تبصرے شماروں 1005 میں شائع ہوئے جس میں تبصرے بھی نامور شخصیات کے تھے۔ اس لحاظ سے اس شمارے کو تبصرہ نمبر دیا جائے تو بجا ہوگا۔ ویسے بھی میں تو اس شمارہ 1005 کو بہت خاص مانتا ہوں کیونکہ اس کی دستک سب سے بڑا انعام اور تحریر ’خوشی کے آنسو‘ از عبداللہ مسافر بہت ہی خاص الخاص ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر بہترین تبصروں میں ’حال دل‘ از حافظ عبدالرزاق خان، ’الف نمبر‘ از حافظ دانش عارفین حیرت، ’مقبول نیکی‘ از بنت شکیل اختر، ’الف مبروک‘ از خولہ غضنفر اللہ، ’آ گیا وہ شاہکار‘ از بنت درخواستی، ’گلہائے رنگارنگ‘ از محترمہ عامرہ احسان صاحبہ، ’آپ سب کا شکریہ‘ از ع، م چنیوٹ، ’الف نمبر کی دیگ‘ از فوزیہ خلیل اور فاطمہ احمد۔ جبکہ پروفیسر عالیہ ظفر صاحبہ نے فقط مدیر صاحب کے سلسلہ خالو خیر خواہ اور زبان و بیان پر تبصرہ کیا۔

الف نمبر پر تبصروں میں سے کسی تبصرے کا انتہائی خوب صورت اور دلکش عنوان ’’یہ ہزار ہفتوں کے بھیا اور بہنا‘‘ لگا، جو بہن جویریہ فاروقی خان پور بگا شیر نے شمارہ ۱۰۹۵ میں اپنی تحریر کا قائم کیا ہے اور اس تحریر میں انھوں نے بھائی اور بہن کی پُر خلوص محبت اور پیار بھری نوک جھوک کو تمثیلی انداز میں بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام پر منطبق کیا ہے اور دونوں ے الف نمبر پر جامع تبصرہ کیا ہے۔

شمارہ ۱۰۲۱ میں بہن زنیرہ نور نے ’’سال ۲۰۲۱ کے شمارے‘‘ کے عنوان سے ایک سال میں شائع ہونے والے شماروں کا خوب صورت پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ بندے نے اپنے اس مضمون کی تیاری میں اس تحریر سے بھی استفادہ کیا ہے اور شمارہ ۱۰۸۱ میں بھائی محمد اقراش عاصم نے سال ۲۰۲۲ء کے عنوان سے اس سال کے چند ابتدائی شماروں پر تفصیلی تبصرہ کیا تو اس سے بھی مستفید ہوا ہوں۔

آمنے سامنے کی محفل: رسالے کا بہت خوب صورت، ہر دل پسند اور مستقل سلسلہ آمنے سامنے کی محفل کا سلسلہ ہے۔ اس کے بغیر رسالہ ادھورا ادھورا سا لگتا ہے۔ اس کا بے چینی اور بے قراری کے ساتھ انتظار رہتا ہے خصوصاً وہ قارئین جنھوں نے خط لکھا ہوتا ہے اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ گزر چکا ہوتا ہے، امید لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ رسالے میں وہ بھی نظر آئیں گے۔ وہ قارئین اتوار کو رسالہ ملتے ہی بنا ’دستک‘ دیے پہلے دوڑے دوڑے اس محفل میں وارد ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو اس میں تلاشتے ہیں۔ اگر اپنے آپ کو اس میں پالیں تو پھول کی طرح کھلکھلا اٹھتے ہیں اور اپنے شائع ہونے کی اطلاع اپنے پیاروں کو دیتے پھرتے ہیں۔ اور اگر خود کو اس محفل میں نہ پائیں تو غصے سے پیچ و تاب کھاتے پھرتے ہیں اور مدیر بھائی کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔

جن قارئین نے خط نہیں لکھا ہوتا وہ بھی اپنے قلمی نسبت کے تعلق داروں اور پیاروں کو اس محفل میں پا کر خوش ہو جاتے ہیں اور مدیر بھائی کی طرف سے دیے جانے والے خوبصورت جوابات پڑھ کر کھلکھلا اٹھتے ہیں۔ ان سو شماروں میں سے ۷۱ میں یہ محفل سجی، ۲۹ میں نہیں سجی۔ سب سے بڑی محفل شمارہ ۱۰۰۷ میں سجی جو شمارے کے اڑھائی صفحات پر محیط تھی۔ سب سے زیادہ کسی ایک محفل میں شائع ہونے والے خطوط کی تعداد ۱۹ ہے۔ ان ۷۱ محافل میں شائع ہونے والے کل تقریباً ۷۱۱ خطوط ہیں۔ ان محافل میں سب سے زیادہ شریک ہونے والے حاصل پور کے مولانا محمد اشرف صاحب ہیں جنھوں نے 26 محافل میں شرکت کی۔ ان کے بعد بھائی محمد اقراش عاصم صاحب ہیں جنھوں نے ۱۸ محافل میں شرکت کی۔ ان کے بعد ہمارے ملتان کے حافظ محمد احمد بن عرفان الحق صاحب ہیں جنھوں نے ۱۳ محافل میں شرکت کی۔ محمد دانیال حسن چغتائی اور ع،م۔ ام رمیصاء کے بارہ بارہ خطوط شائع ہوئے۔ احمد اسامہ اور حور عینا گیارہ گیارہ خطوط، عمر صدیقی اور حافظ محمد عثمان سرگودھا کے دس دس خطوط، وجیہہ خاتون دس، محمد وقاص جھنگ اور محمد سفیان اکرم گورمانی کے نو نو خطوط، حاجی جاوید اقبال ساقی ۸، ابوالحسن اور خرم فاروق ضیاء کے سات سات، بنت البحر اور منیبہ جاوید ساقی کے بھی سات سات خطوط شائع ہوئے۔ چوہدری محمد وسیم سجاد، محمد عبیداللہ کراچی، محمد شعیب کہروڑ پکا، طیبہ راؤ،

جہاں بھی جاتے ہیں!

حکیم فاروق سومرو۔ لاہور

حکیم نجم الغنی صاحب بہاولپور شہر کے معروف طبیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دین کے ساتھ محبت، خلوص اور للّٰہیت سے خوب نوازا ہے۔ انھیں علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔ اس کے علاوہ انھوں نے علامہ افغانیؒ کے خطبات و مقالات اور دیگر تصانیف کو بھی نہایت عمدہ انداز میں طبع کروایا۔

فرماتے ہیں ایک دفعہ امام الخطاطین سید انور حسین المعروف سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ بہاول پور تشریف لائے۔ اُن کے قیام کا انتظام میرے ہاں تھا۔ شاہ جیؒ کو میرے ہاں ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ کمرے میں کچھ دیر قیام فرمانے کے بعد شاہ جی نے فرمایا:

’’اِس کمرے میں کچھ خاص بات ہے، کیونکہ مجھے یہاں ایک خاص قسم کا روحانی سکون محسوس ہو رہا ہے۔‘‘

اس پر حکیم صاحب نے عرض کیا:

’’شاہ جی! جب علامہ سید انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ختم نبوت کے مقدمے کے سلسلے میں بہاول پور کی عدالت میں تشریف لائے تھے، اس دوران میں اُن کا قیام بھی اسی کمرے میں رہا۔‘‘

شاہ جی نے یہ سن ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا:

’’اللہ والوں کی یہی نشانی ہے کہ جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں سے کچھ لینے کی بجائے رحمت و برکات چھوڑ جاتے ہیں۔‘‘

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حیا احمد، بنت مولوی شبیر احمد وہاڑی اور مبرہ عمران کے چھے چھے خطوط شائع ہوئے۔

محمد عبیداللہ مظفر گڑھ، احمد علی خان، حافظ عبدالرحمن بن مفتی اظہر، فاطمہ احمد، رملہ فرحان، عمارہ مشتاق احمد، ام محمد حنظلہ، بشریٰ ماہم، میمونہ اعجاز، انیسہ عائش، بنت ملک اشرف اور زینب بی بی ٹیکسلا کے پانچ پانچ خطوط شائع ہوئے۔

توحید الرحمن، محمد زبیر کھوکھر، عبدالصمد زاہد، ابوبکر عباسی، محمد شاہد چھتر پلین، ارسلان صدیقی، عطاء الرحمن بیگ مرزا، عز صدیقی، بنت اسلم، بنت سطور، حمنہ شفیق، حفصہ اقبال، عائشہ عبدالغفور اور حفصہ بی بی ٹیکسلا کے چار چار خطوط شائع ہوئے۔ محمد احمد کبیر والہ، مستقیم احمد، سعد اللہ، محمد یوسف بن محمد ابرار یونس، احمد اسلم، محمد طلحہ، محمد حسان ریاض، محمد حذیفہ اکرم، لبنیٰ اعجاز، امیمہ اکبر، ایمل ماہی، بنت عمر، قانتہ ایمن، مومنہ بنت طفیل، یسریٰ زبیر، مریم امتیاز، سائحہ زیدی، اقرأ فرید، جویریہ ظہور، اسماء حفصہ لاہور، حفصہ شمس الدین ملتان، حفصہ بنت عبدالرحیم، ردا بلوچ اور بنت مولانا سیف الرحمن قاسم کے تین تین خطوط۔

یہاں تک پہنچ پایا تھا کہ میری پیاری والدہ محترمہ مختصر سی علالت کے بعد اچانک ہی ہمیں غم زدہ کر کے اپنے اللہ جی کے حضور پیش ہوگئیں، سو میرے اے بن دیکھے پیارو! حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کر کے میری والدہ مرحومہ کے لیے دعا فرما دیں۔

اب میں اپنی قوت کو مجتمع کر کے اس تحریر کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ابن آدم، محمد عربی نوشہروی، محمد سالم کراچوی، عمار افضل، غلام مصطفی سرگودھا، معاذ محفوظ الحق، عثمان حمید، محمد زبیر رفیق، محمد فیصل رانا، توصیف خالد، ر،م کراچی، ازکیٰ رانی، عزین شازم، (میمونہ، مومنہ، خولہ، بریرہ) سائرہ طارق، بنت ڈاکٹر لیاقت علی، صالحہ شاہد، ام خدیجہ، ام عمر اسامہ، حفصہ کائنات، یمنیٰ امجد، اسوہ اعجاز، بنت عبدالرحمن، خولہ شفیق، گڑیا فلک، طیبہ علی رضا، قرۃ العین، عاتکہ وسیم، لبابہ اکرم، اقرأ حبیب، خدیجۃ الکبریٰ، لائقہ انور، لائقہ شیما، طیبہ علی، بنت درخواستی، نور الہدیٰ شاہ، عشرت جہاں اور راقم کے بھی دو خط اور ایک تحریر 'ایمانی خوشی' شمارہ ۱۰۹۸ میں شائع ہوئی۔

ایک ایک خط بھی کئی قارئین کے شائع ہوئے ان میں سے چند مشہور شخصیات کا ذکر پیش خدمت ہے: غلام حسین میمن، بنت شکیل اختر اور ام احمد سعید۔ ان کے علاوہ بہن زنیرہ نور کے خطوط بھی شائع ہوئے۔ آمنے سامنے کی محفل کے علاوہ بھی دو خطوط شائع ہوئے، جن میں ایک خط ریاض احمد کا شمارہ ۱۰۵۴ جس میں انھوں نے کچھ مسائل کی طرف مدیر بھائی کی توجہ مبذول کرائی اور ایک خط 'صرف محتاط' کے عنوان سے شمارہ ۱۰۹۱ میں بنت عبدالقیوم کا جس میں انھوں نے اپنی روداد سنائی اور مدیر بھائی نے اُس کا جواب دیا۔

لیجیے جناب! جائزہ مکمل ہوا یقیناً اعداد و شمار میں غلطی ہوگی، اِس لیے اگر کسی قاری کی حق تلفی ہوگئی ہو تو تہ دل سے معذرت کرتا ہوں اور تمام قارئین کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں۔

ج: اس خوبصورت تجزیے سے لطف اندوز ہوتے ہوتے اچانک آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر جھٹکا لگا۔ بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ امی جان کو اپنا خاص قرب عطا فرمائیں۔ آپ سب کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین! ہماری بھی قارئین سے درخواست ہے کہ چند منٹ مطالعہ موقوف کر کے حسبِ استعداد ایصال ثواب ضرور کردیں۔

ویسے گیارھویں سنچری کے اس خوبصورت اور جامع جائزے کے لیے آپ نے واقعتاً بہت محنت کی ہے۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ کتنا وقت لگا ہوگا۔ رسالے سے اس محبت کو اللہ قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہت شکریہ!

93

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

میر حجاز

اختر حسین عزمی

بنو عبس کا کارواں حج سے واپسی کے سفر میں اپنے گھروں کی طرف خوشی خوشی رواں دواں تھا لیکن میسرہ کو کسی گھڑی چین نہ تھا۔ اسے پیغمبر اسلام کی دعوت قبول نہ کرنے کا قلق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی قوم اس دین کو قبول کرلے، چنانچہ یثرب سے آگے راستے میں اپنے ہمراہیوں سے کہا:

''فدک ہماری راہ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر ہم وہاں جائیں اور وہاں کے یہودیوں سے اس شخص کے بارے میں دریافت کریں تو ممکن ہے ہم کسی صحیح نتیجے تک پہنچ جائیں''۔

پس وہ اپنے راستہ سے ہٹ کر فدک کی طرف چل دیے۔

وہاں پہنچ کر انھوں نے یہودی علماء سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

انھوں نے اپنی کتاب نکالی اور اسے وہاں سے پڑھنا شروع کیا جہاں ایک آنے والے نبی کا ذکر تھا۔

''خطہ عرب سے تعلق رکھنے والے ایسے جلیل القدر نبی مبعوث ہوں گے جن کا لقب اُمّی ہوگا۔ گدھے پر سواری کریں گے۔ کفایت شعاری ان کی شان ہوگی۔ نہ ضرورت سے زیادہ لمبے نہ پست قد، زلفیں نہ بالکل سیدھی، نہ زیادہ گھنگریالی، آنکھوں میں سرخ ڈورا اور چہرہ چمکدار ہوگا۔''

یہ پڑھنے کے بعد یہودی عالم نے بنو عبس کے معززین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''جس نے تمھیں دعوت دی ہے اگر اس میں یہ نشانیاں پائی جاتی ہیں تو ان کی دعوت قبول کرلو اور ان کے دین میں داخل ہوجاؤ۔''

''اے میری قوم! اب تو یہ معاملہ بالکل واضح ہوگیا ہے۔''

میسرہ نے یہودی عالم کی بات سن کر کہا لیکن سرداران قوم نے کہا:

اگلے سال جب ہم حج کے لیے آئیں گے تو ان سے ملاقات کریں گے۔''

چنانچہ وہ اپنی بستی کی طرف لوٹ گئے اور اسلام قبول نہ کیا۔ (سیرۃ ابن کثیر)

(اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ آگئے اور پھر فتح مکہ کے بعد ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع ادا کرنے گئے تو وہاں میسرہ نے حضورؐ سے ملاقات کی اور حضور نے انھیں پہچان لیا۔ میسرہ نے عرض کی: یارسول اللہ میں اس دن سے آپ کی پیروی کا شدید خواہش مند تھا جب آپ ہماری قیام گاہ پر منیٰ میں آئے تھے لیکن حالات بدلتے گئے۔ آج بڑی تاخیر سے اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ وہ لوگ جو اس روز میرے ساتھ تھے، ان میں سے اکثر مر گئے۔ یارسولؐ اللہ! ان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو شخص قبول اسلام کے بغیر مرگیا وہ دوزخ میں ہوگا۔ اس پر میسرہ نے کہا: ''سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے مجھے آتش جہنم سے بچا لیا۔'' پھر وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے اور عمر بھر احکام الٰہی کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکر حضرت میسرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا بڑا احترام کرتے تھے۔)

قبیلہ بنو عامر کے لوگ تکمیل حج کے بعد اپنے علاقے میں پہنچے تو وہ اپنے قبیلہ کے سب سے عمر رسیّدہ شیخ سے ملے جو اپنی عمر رسیدگی اور کمزوری کے باعث سفر حج میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ قبیلہ کے شیخ بزرگ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی اہل قبیلہ سفر سے واپس آتے تو وہ تمام حالاتِ سفر ان کے گوش گزار کرتے۔ اس سال بھی انھوں نے حج کی روداد سنائی اور بتایا: ''قریش کے ایک جواں مرد ہمارے پاس آئے تھے جو عبدالمُطّلِب کے خاندان سے تھے اور اپنے بارے میں کہتے تھے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ انھوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم دشمنوں سے ان کا دفاع کریں اور انھیں مکہ سے اپنے ہمراہ قبیلے میں رکھیں لیکن ہم نے اس کی دعوت قبول نہیں کی۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے بحیرہ بن فراس کی پیغمبر اسلام سے گفتگو بھی دہرائی۔

یہ سن کر شیخ قبیلہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور از راہ حسرت و افسوس کہنے لگا:

بقیہ صفحہ نمبر ۱۴ پر

لعاب اور دانت

منہ ایک گیلی جگہ ہے اور اس کی وجہ اُس میں پائے جانے والے بارہ غدود ہیں جو لعاب پیدا کرتے ہیں۔ ایک عام بالغ فرد ایک دن میں ڈیڑھ لٹر اور ایک اندازے کے مطابق ایک شخص زندگی میں بتیس ہزار لیٹر لعاب پیدا کرتا ہے۔

یہ زیادہ پرانی بات نہیں جب یہ معلوم ہوا کہ لعاب میں ایک بڑا طاقتور درد کش (pain killer) بھی شامل ہے جو اوپیورفین ہے۔ یہ مارفین سے چھے گنا زیادہ طاقتور ہے لیکن یہ تھوک میں بہت کم مقدار میں ہوتا ہے، اسی لیے ہم ہر وقت حالت غنودگی میں نہیں رہتے۔ یہ اتنا کم ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ یہ ہے ہی کیوں اور ۲۰۰۶ء سے پہلے کسی نے اس کو نوٹس بھی نہیں کیا تھا۔

لعاب یعنی تھوک زیادہ تر پانی ہے۔ صرف نصف فیصد ہی کچھ اور ہے، اور یہ نصف فیصد کئی بہت مفید انزائم سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انزائم پروٹین کیمیکل ری ایکشن تیز کر دیتے ہیں۔ ان میں امائلیز اور ٹائلین شامل ہیں جو ہمارے منہ میں ہی کاربوہائیڈریٹ کے شوگر توڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ نشاستے والی کسی شے جیسا کہ روٹی یا آلو کو منہ میں کچھ زیادہ دیر رکھیں تو آپ کو اُن میں مٹھاس محسوس ہوگی۔ یہ اسی وجہ سے ہے۔

بدقسمتی سے، یہ مٹھاس ہمارے منہ کے بیکٹیریا کو بھی مرغوب ہے۔ وہ اِن آزاد ہو جانے والی شوگر پر ضیافت اڑاتے ہیں اور تیزاب خارج کرتے ہیں جو ہمارے دانتوں میں سوراخ کر کے ان میں cavity پیدا کرتا ہے۔

کچھ دوسرے انزائم، جیسا کہ لائسوزوم، ضرر رساں جراثیم پر حملہ آور ہوتے ہیں (لیکن بدقسمتی سے اُن پر نہیں جو دانت میں کیڑے کا باعث بنتے ہیں)۔

☆☆

جب ہم سوتے ہیں تو بہت کم لعاب پیدا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت منہ کے جراثیم کو کھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ اسی لیے جب ہم اٹھتے ہیں تو منہ میں بدبو اور گندگی محسوس کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے سونے سے پہلے دانت صاف کرنا اچھی عادت ہے، کیونکہ دانت صاف کر کے سونے سے منہ میں جراثیم کی آبادی نسبتاً بہت کم رہتی ہے۔

اور کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ بھی تحقیق ہو چکی ہے کہ صبح ہمارے منہ کی بو میں ۱۵۰ مختلف کیمیکل مرکبات شامل ہوتے ہیں۔ ان میں میتھائل مرکاپٹن (جس کی بو بہت پرانی گوبھی کی طرح ہے)، ہائیڈروجن سلفائیڈ (جس کی بو خراب انڈوں جیسی ہے)، ڈائی میتھائل سلفائیڈ (سمندری گھاس کی طرح)، ڈائی اور ٹرائی میتھائل امائن (مچھلی جیسی) اور کیڈاورین (لاش جیسی) بو رکھتے ہیں۔ اس لیے صبح سویرے بھی دانت صاف کر کے کچھ کھانا اچھی عادت ہے۔

پروفیسر جوزف ایپلٹن نے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں منہ کے بیکٹیریا کی کالونیوں کو پہلی بار اسٹڈی کیا اور دریافت کیا کہ جراثیم کی نظر سے زبان، دانت اور مسوڑھے الگ براعظم ہیں جن میں بالکل مختلف طرز کی آبادیاں ہیں۔ حتیٰ کہ دانت میں بھی، اُس حصے پر جو سامنے ہے اور اس پر جو مسوڑھے کے اندر ہے، آبادیوں میں بڑا فرق ہے۔

منہ میں بیکٹیریا کی لگ بھگ ایک ہزار انواع مل چکی ہیں۔ اگرچہ اس وقت آپ کے

منہ میں شاید دو سو سے زیادہ نہیں ہوں گی۔

☆☆

ہمارا منہ نہ صرف جراثیم کو خوش آمدید کہتا ہے بلکہ ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کا اچھا ذریعہ بھی ہے۔ خوراک کی سائنس کے ماہر پال ڈاوسن نے ایک تحقیق سالگرہ کے کیک پر کی۔ اُن کی ٹیم نے معلوم کیا کہ سالگرہ کے کیک پر لگی موم بتیاں بجھانے کے لیے ماری گئی پھونکوں سے کیک پر بیکٹیریا میں چودہ گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی کھانے کی چیز پر پھونک نہیں مارنی چاہیے۔

☆☆

ہمارے دانت بڑی ہی شاندار تخلیق ہیں۔ یہ تین قسم کے ہیں:

(۱) بلیڈ (نوکیلے دانت)

(۲) کسپ (اوپر سے چپٹے) اور

(۳) بیسن (جو دونوں کے بیچ میں ہیں)

سروہاراامباکر

دانت کے باہر والا حصہ اینامل ہے۔ یہ ہمارے پورے جسم کا سخت ترین مادہ ہے لیکن یہ بڑی باریک سی تہ ہے اور ایک بار اسے نقصان پہنچ جائے تو یہ واپس نہیں آسکتا۔

اینامل کے نیچے ایک اور معدنی ٹشو کی موٹی تہہ ڈینٹن ہے جو خود کو تازہ کر سکتی ہے، اور اس کے درمیان میں گوشت والا مادہ ہے جس میں اعصاب اور خون کی سپلائی ہے اور چونکہ دانت اتنے سخت ہیں، اس لیے یہ فوسل کے لیے بہترین ہیں۔ جب ہمارے جسم کی ہر شے مٹی بن جائے گی تو شاید آپ کے جسم کی آخری فزیکل باقیات آپ کی داڑھ کا فوسل ہو۔

آپ کے دانتوں کی ایک کاٹ (bite) بڑی طاقت رکھتی ہے۔

ایک شخص کے دانتوں سے کاٹنے کی اوسط قوت ۴۰۰ نیوٹن ہو سکتی ہے جو کہ بڑی قوت ہے۔ اگرچہ کھارے پانی کے مگرمچھ کے دانتوں کے مقابلے میں یہ صرف چالیسواں حصہ ہے۔ جی ہاں! مگرمچھ کے دانتوں سے کاٹنے کی قوت سولہ ہزار نیوٹن تک ہو سکتی ہے!

اب آپ اپنے کاٹنے کی قوت (۴۰۰ نیوٹن) کا بھی اندازہ کیجیے کہ آپ ایک برف کا کیوب بآسانی چبا لیتے ہیں۔ اسے اپنے ہاتھ سے توڑنے کی کوشش کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ بہت مشکل کام ہے، جبکہ جبڑوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ کے پانچ مسلز یہ کام کر دکھاتے ہیں۔ یہ تجربہ دِکھا دیتا ہے کہ ہمارے منہ کی قوت کتنی متاثر کن ہے، اور یہ بھی کہ ہمارے جبڑوں کے مقابلے میں مگرمچھ کے جبڑوں کی طاقت کتنی زیادہ ہے؟

☆☆☆

قرآن میں ہے!

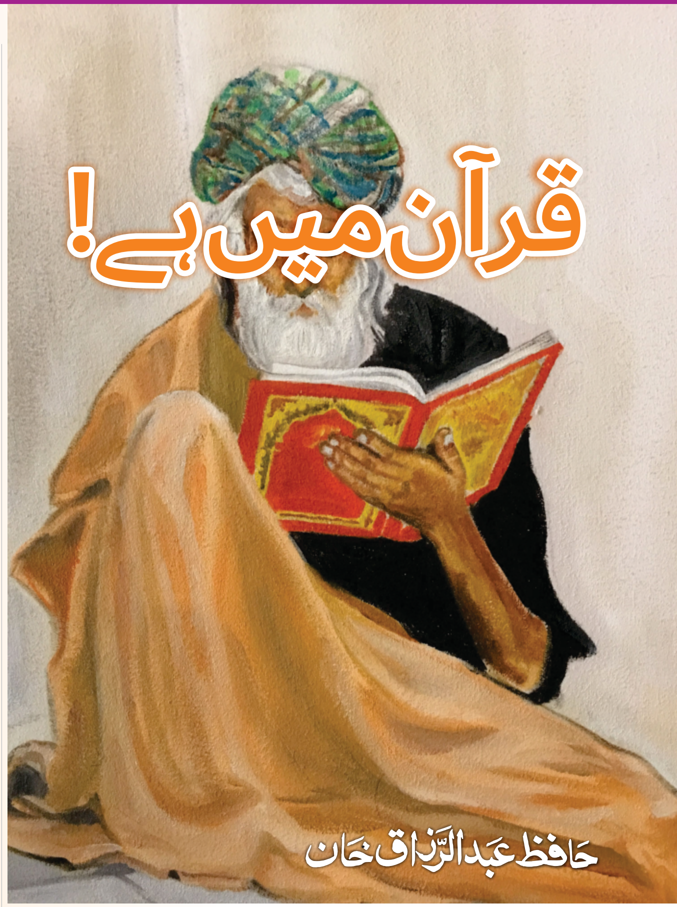

حافظ عبدالرزاق خان

وہ رشتے میں ابو جان کے کچھ بھی لگتے ہوں، عمر اور مرتبے کی وجہ سے ہم انھیں دادا ہی کہتے تھے اور نہ صرف کہتے تھے بلکہ حقیقی معنوں میں دادا سمجھتے بھی تھے۔ اگر چہ ہمارے سگے دادا بھی حیات تھے مگر اُن دنوں بڑے چھوٹوں میں پیار ہی کچھ ایسا تھا کہ بنا خونی رشتے کے بھی ہر کوئی اپنا اپنا سا محسوس ہوتا تھا۔

وہ ہر وقت اپنے آبائی وطن کی محبت کی بات کرتے تھے اور دلی کی یادوں میں گم رہتے تھے اور ہمیں ہر وقت یہ بات چبھتی تھی کہ کھاتے پاکستان کا ہیں اور گاتے ہندوستان کا ہیں۔ دو چار مرتبہ ہم نے اُن سے ہلکے پھلکے طنزیہ انداز میں اس بات کا اظہار بھی کیا تو برہم ہو جاتے: ''تُو کل کا چھوکرا! تو کیا جانے جنم بھومی کی چاہت؟ ہندوستان بنیوں کا تھوڑا ہی ہے۔ ہمارے باپ دادا کی جاگیر ہے جاگیر۔ یہ الگ بات ہے کہ تیری میری عیاشی نے یہ جاگیر انگریزوں کی جھولی میں ڈال دی۔ بھلا کیسے بھلا دوں دِلی کو؟ ارے دلی تو دل والوں کی تھی، اور آج کن کے ہتھے چڑھ گئی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میر کی طرح میں بھی کچھ ایسا کہوں کہ لوگ پکار اٹھیں کہ بھیا! تیری شاعری تو دل اور دلی کا مرثیہ ہے لیکن مجھ میں اتنا دَم کہاں اور پاکستان میں ایسی فضا کہاں! یہاں تو تیرے جیسے لوگ بستے ہیں جو دیس کی محبت سے عاری ہیں، جنھیں وطن کی چاہت تو چاہت اس کا ذکر تک کرنا عیب دِکھتا ہے۔''

اس کے بعد وہ جھٹ سے ماچے (بڑی چارپائی) سے اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے:

''آئندہ تیرے ہاتھ کی چلم نہیں پیوں گا۔''

پھر کیا ہوتا؟ کیا ابو کیا تایا سب ہمارے لتّے لیتے اور ہم ان سے جا معافی مانگتے اور وہ بھی دل کے اتنے رقیق تھے کہ فوراً سینے سے لگا لیتے اور کہتے قرآن میں ہے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وہ زیادہ علم تو نہیں رکھتے تھے مگر ایک عادت ان میں اچھی یا بری تھی کہ وہ ہر بات قرآن سے منسوب کرتے تھے۔ بعض مرتبہ تو اتنی بے تکی بات کا حوالہ قرآن سے دیتے کہ مت پوچھو! ایک مرتبہ کہنے لگے کہ قرآن میں چائے بنانے کا طریقہ آیا ہے۔

ہم نے ناراض ہو کر حوالہ مانگا تو جھٹ سے کہا، چودھویں پارے میں ہے۔

اب ہم نے ربما سے لے کر مسنون تک سارا پارہ چھان مارا مگر کہیں ایسی بات نہ ملی۔

ہنس کر کہنے لگے: ''بیٹا! لگتا ہے تُو نام کا حافظ ہے۔ ترجمہ تُو نے صحیح سے پڑھا نہ ہوگا، اسی لیے تو کہتے ہیں کہ گدھے پر کتابیں لادنے سے وہ عالم نہیں ہو جاتا۔''

اُن کی اِس بات سے پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک ہمارے جسم کا رواں رواں نارِ غضب سے کھولنے لگا۔ قریب تھا کہ ہم ان کا ادب پس پشت پھینکتے ہوئے اگلی پچھلی ساری کسر نکال لیتے کہ انھوں نے سوال داغ دیا: ''شانت رہو برخوردار! یہ بتاؤ کہ چودھویں پارے کے نصف آخر میں خالص دودھ کا ذکر ہے کہ نہیں؟''

ہم نے تھوڑے توقف کے بعد کہا: ''ہاں ہے، شہد اور اس کی مکھی کا ذکر بھی ہے۔''

''دودھ خوراک اور خون کی نالیوں کے پاس سے ہو کر کس طرح صاف اور شفاف ہو کر نکلتا ہے، یہ بات بھی ہے ناں؟''

''جی ہے مگر چائے کا ذکر تو نہیں ہے ناں!''

ہم نے منہ پھلا کر کہا تو وہ بولے: ''ارے پاگل! دودھ کے بغیر بھلا چائے بنتی ہے؟ جب اتنی باریکی کا ذکر آ گیا تو باقی رہ کیا گیا!''

''لاحول ولا قوۃ الا باللہ! واہ دادا! یہ کیسی بے ہودہ بات ہے۔''

ہم نے غصے سے کہہ ہی دیا۔ وہ کب ہار ماننے والے تھے۔

''اچھا بس بس! کوئی بے ہودہ بات نہیں کی میں نے۔ تیرے جیسے تو کئی میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔''

لو اب سمجھا لو انھیں۔

ایک بار گلی محلے کے بڑے بوڑھے دھوپ سینکنے کی غرض سے حاجی ممدو کے پلاٹ میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔ اُس روز 'یومِ اقبال' کی چھٹی تھی۔ اسی باعث چلم بھرنے کی خدمت پر ہم ہی مامور تھے۔ کبھی کبھی بزرگوں سے نظر بچا کر حقے سے ایک آدھ گھونٹ ہم بھی بھر لیتے مگر ایک ہی کش سے کھانسی شروع ہو جاتی جس سے پول کھل جاتا۔ اسی دوران ہم نے دادا کو چھیڑا: ''دادا جی! یہ آپ کی بہنوں کے نام کتنے عجیب عجیب سے ہیں، حمیدن، مجیدن، کریمن، قدیرن اور رفیقن؟''

''ارے عجیب ہوں گی تیری پھوپیاں اور ان کے نام۔ میری بہنوں کے نام تو قرآن میں آئے ہیں۔'' وہ بپھر کر بولے۔

''میرے علم کے مطابق تو قرآن ایسے ناموں سے پاک ہے۔''

''ارے تیرے علم کی ایسی کی تیسی! جا کسی بڑے مولوی سے پوچھ!''

ہم بھی فوراً وہاں سے اٹھے اور بڑے حافظ جی کے پاس جا پہنچے تو انھوں نے سمجھایا کہ بعض آیتیں اِن صفاتی الفاظ پر ختم ہوتی ہیں تو دادا نے انھی پر نام رکھ لیے ہوں گے، جیسے آیت ہے: انه کان علیما قدیرًا ۝ اور حَسُنَ اولٰئک رفیقًا ۝ وغیرہ وغیرہ۔

وہ چونکہ خاندان کے بڑے تھے، اس لیے کسی نومولود کا نام رکھنے سے پہلے اُن کی

رضامندی ضروری تھی۔ کوئی بھی آتا تو کہتے: ''قرآن میں سے ڈھونڈ کر نام رکھنا۔''

ایک بار کوئی خاتون ننھی منی سی بچی لے کر آئیں اور عرض کیا: ''بزرگوار اس کا نام تو تجویز کر دیں۔''

پوچھا: ''اُس کی اور بہن بھی ہے؟''

''جی ہے، اُس کا نام بلقیس ہے۔''

''واہ کیسا پیارا نام ہے۔ ملکۂ بلقیس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اب حق بنتا ہے کہ اس سے ملتا جلتا نام قرآن سے ڈھونڈ کر رکھا جائے۔ اوعبداللطیف کے چھورے! ذرا سوچ کر بتا اُس سے ملتا جلتا نام۔''

''قرآن سے بتانا ضروری ہے؟'' ہم نے سر کھجایا۔

''ہاں ہاں ضروری ہے۔''

''تو پھر اس بچے کا نام ابلیس رکھ دیں۔''

''ہے ہے کیا بکتا ہے، ابلیس بھی بھلا نام ہوتا ہے؟'' دادا جھلائے۔

''دیکھیں ناں، وزن پورا کرنا ہے ناں! بلقیس کی بہن ابلیس۔''

''توبہ توبہ یہ بھی کوئی جوڑ ہے۔'' دادا نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ قرآن میں آیا ہے یہ نام۔''

ہم نے ان کے دماغ پر ضرب لگائی۔

''تُو بہت آزاد ہو گیا ہے۔ نئی تعلیم کا یہی تو اثر ہے۔ پہلے بھی تو نے ہارون کے وزن پر قارون اور آبان کے وزن پر ہامان جیسے نام بتا کر ایمان خراب کیا تھا۔''

''بتائے تو قرآن سے ہی تھے ناں!''

''تو بہت بے باک ہو گیا ہے جو منہ میں آتا ہے بک دیتا ہے۔''

''دادا جی! آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ قرآن نام رکھنے کی کتاب نہیں ہے۔''

ہم نے اُن کی اصلاح چاہی مگر وہ پرانے درخت تھے۔ کہاں دلیل سمجھتے الٹا ہمیں ہی کوسنے لگے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے: ''قرآن میں ہے کہ بندے! اگر تُو ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے گا تو میں تجھے روزی کیسے دوں گا۔''

ہم بولے کہ کہاں لکھا ہے؟ تو آنکھوں میں خون اتارتے ہوئے چیخے:

''تُو کون ہوتا ہے مجھ سے حوالہ مانگنے والا؟ میں کوئی تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تیرے ہر سوال کے جواب پر دلیلیں دوں؟ بے ایمان کہیں کا۔''

خیر وقت پر لگا کر اڑا۔ فرصت کے لمحات مصروفیت کھا گئی۔ رشتوں میں دراڑیں آ گئیں۔ اپنے پرائے کا امتیاز ہونے لگا۔ خون سفید ہو گئے مگر شکر ہے دادا جان یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ ہاں یہ قلق انھیں ہمیشہ رہا کہ پاکستان نے ہندوستان کیوں نہیں حاصل کر لیا اور یہ ارمان تو ساتھ لے کر گئے کہ کاش دِلی پھر سے دیکھ آتے۔

اب تو فتنوں کا دور دورہ ہے بھیا! عجیب حالات ہیں زمانے کے۔ اب تو مسلمانوں نے نام بھی بڑے عجیب عجیب سے رکھنے شروع کر دیے ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک دوست کے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ تیسرے دن ہی اس کا نام رکھ دیا۔ ہم نے اسے سمجھایا کہ ساتویں دن نام رکھنا مسنون ہے۔ کہنے لگے اجی ہم نے تو نام اس کی پیدائش سے پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔ ہم نے کہا وہ تو خیر ہے مگر رکھتے ساتویں دن ہی۔

اس پر وہ ناک بھوں چڑھانے لگے۔

ہم نے بات پھیری: ''اچھا کیا نام ہے بچی کا؟''

''پریٹی!...... کہو کیسا ہے؟'' دادی بھی طلب کی۔

''ہائیں یہ کیسا نام ہوا؟ اس کا کیا مطلب ہوا بھئی؟''

''بھئی پریٹی یعنی پیاری، خوب صورت۔''

''توبہ توبہ یہ کیسا نام ہوا؟'' ہم نے ہاتھ کانوں کو لگائے۔

''بھئی آپ ہی تو کہتے ہیں کہ اچھا اور بامعنی نام رکھنا چاہیے سو رکھ دیا دیکھو ناں کتنی پریٹی ہے میری بچی۔''

ہم سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ خدا کی شان اگلے روز ان صاحب کے چھوٹے بھائی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ ہم اذان دینے گئے تو پوچھا جنابِ من! بچے کا نام کیا رکھیں گے؟ جھٹ سے بولے جو آپ تجویز کریں گے۔

''ارے ہم کہاں اس قابل، آپ خود ہی رکھ لینا۔''

اسی دوران ہماری رگِ ظرافت پھڑ پھڑائی۔

''کہیں آپ نے بھی تو اپنے بچے کا نام بڑے بھائی کی طرح پہلے سے تو نہیں سوچ رکھا؟''

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں؟''

''ارے وہ کامران صاحب نے اپنی بچی کا نام پہلے سے سوچ کر 'پریٹی' رکھا ہے کہیں آپ نے بھی اپنے بچے کا نام پہلے سے ''کیوٹ'' تو نہیں سوچ رکھا۔

''ہاہاہا! آپ بھی ناں اچھا مذاق کر لیتے ہیں۔''

''نہیں بابا مذاق کیا؟ حقیقت بتلا رہا ہوں۔''

''نہیں جی ہم نے ایسا کوئی نام نہیں سوچا۔ آپ کے پاس ابھی چھے روز ہیں خوب سوچ کر بتانا۔ قرآنی نام ہو تو کیا ہی بات ہے۔''

ہم نے کہا اگر یہی بات ہے تو دیر کا ہے کی۔ قرآن کی سو سے زائد آیات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر دلالت کی ہے اور احادیث میں اُن ناموں کا بھی ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند کیے جن میں سے حاشر اور عاقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص صفاتی نام ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی دلیل بھی ہیں۔

سو مشورہ ہمارا اور اختیار آپ کا۔ ویسے اللہ کے فضل سے دسیوں بچوں کا نام حاشر رکھوا چکا ہوں۔''

ہم چپ ہوئے تو عرفان صاحب مسکرائے:

''تو پھر دیر کا ہے کی، آج سے میرا یہ بیٹا عاقب ہو گا۔''

''آہا! لیکن آج سے نہیں ساتویں روز سے۔'' ہم چہکے۔

''درست فرمایا آپ نے۔'' عرفان صاحب نے تائید کی۔

☆☆☆

اُونٹ رے اُونٹ!

۸

اشتیاق احمد

انھوں نے دیکھا چار آدمی ظہور کے ساتھ چلے آ رہے تھے لیکن اس کی حالت عجیب سی تھی۔ آنکھیں بھی پوری طرح کھل نہیں رہی تھیں۔

''ارے ارے، یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟''

خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

''پتا نہیں، ہمیں یہ اسی حالت میں ایک سڑک کنارے پڑے ملے تھے بلکہ اُس وقت تو یہ بے ہوش تھے، اب یہ ہوش میں ہیں۔''

''یہ کس قسم کا ہوش ہے جو بے ہوشی سے بھی زیادہ ہے۔''

فاروق بولا۔

''ظہور...... کیا ہوا ہے تمھیں؟''

خان رحمان نے پکڑ کر اسے جھنجوڑا۔

''مم...... مجھے پتا نہیں، شاید کچھ بھی نہیں ہوا ہے، آپ بتائیں ناں مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''ہوسکتا ہے اسے نشہ آور چیز کھلائی گئی ہو، خیر، ڈاکٹر سے چیک کروا لیتے ہیں۔ پہلے تم بتاؤ، تم نے اسے کیسے تلاش کر لیا؟''

''ہم انشارجہ کی پولیس سے واقف ہیں۔ اس کی حرکتوں کو جانتے ہیں۔ جب تک انھیں کسی کی ضرورت رہتی ہے، اپنے قبضے میں اسے رکھتے ہیں اور جب وہ اُن کے لیے بے کار ہو جاتا ہے تو پھر اسے اسی حالت میں سڑک کے کنارے پھینک جاتے ہیں۔ یہی سوچ کر ہم نے شہر کا چکر لگانا شروع کیا تھا اور یہ ہمیں مل گئے۔''

''چلو خیر اسے لٹا دو اور بتاؤ کہ وزارتِ خارجہ کے دفتر کے اندر داخل ہونا کس طرح ممکن ہے؟''

''ممکن نہیں ہے، الارم بج جائیں گے، اوّل تو روبوٹ ہی اندر نہیں جانے دیں گے۔''

''لیکن ہمیں اندر جانا ہے اور فائل K-91 وہاں سے اڑانی ہے جو کمرہ نمبر ۱۰۰ کے سیف نمبر ۳ میں رکھی ہے۔''

''میں کوشش کر چکا ہوں سر! وہاں کام دکھانا ناممکن ہے۔''

''تم احمق ہو۔'' انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں سر۔'' اس نے برا مانے بغیر کہا۔

''اُس دفتر کے کسی آدمی کو اغوا کر سکتے ہو۔''

''یس سر! کیوں نہیں۔''

''تو پھر کل دن میں جائزہ لو۔ دفتر کے کسی اہم آدمی کو اغوا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو بس وہاں کے کسی ملازم کی مدد سے اندر پہنچنا ہے۔''

''لیکن سیف کس طرح کھولیں گے؟ سنا ہے انھیں کھولنے کے طریقے عجیب و غریب ہیں۔ کمرے میں کام کرنے والے ہی انھیں کھول سکتے ہیں۔ ایک کمرے میں کام کرنے والے دوسرے کمرے کے سیف یا دروازے نہیں کھول سکتے۔''

''اس کا صاف مطلب کیا ہے؟'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''یہ کہ ہمیں کمرہ نمبر ۱۰۰ کے کسی ملازم کو اِغوا کرنا ہوگا، لیکن اس سے بھی پہلے اس کا نام اور پتا معلوم کرنا ہوگا اور اس کا ہمارے پاس کوئی طریقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی دفتر خارجہ کے ریکارڈ سے ہی پتا چلایا جا سکتا ہے اور ریکارڈ خود اس عمارت میں ہوگا۔ اب فرمائیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''تب پھر کیا میں بے وقوف ہوں؟''

انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

ان کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔

''نن...... نہیں...... سر! میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

وہ گھبرا گیا۔

''تب پھر...... آخر ہم یہاں کیوں آ گئے ہیں؟''

''فائل حاصل کرنے سر!''

''تو اب بیٹھ جاؤ...... اور ہمارا کمال دیکھو۔ مسٹر پیری بان! ذرا آپ بھی ہمارا کمال دیکھیے گا۔''

جی کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں۔''

انسپکٹر پیری بان نے حیران ہو کر کہا۔

''تم ابھی تک بیٹھے کیوں نہیں۔''

انسپکٹر جمشید برا سا منہ بنا کر بولے۔

وہ فوراً بیٹھ گیا۔

''پہلے تو آپ خود بتائیں پیری بان! بھلا اِن حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا۔ میرا خیال ہے آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اور بری طرح ناکام ہو جائیں گے۔''

''ہم ناکام ہونے کے لیے نہیں آئے۔''

انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

''آپ اپنے کسی کمال کی بات کر رہے تھے؟'' چار میں سے ایک نے یاد دلایا۔

''اوہ ہاں...... فرزانہ انھیں کمال دکھاؤ۔''

''جی میں...... میں کیا کمال دکھاؤں؟''

''بھئی سوچو اور انھیں بتاؤ کہ آخر ہم کمرہ نمبر ۱۰۰ میں کس طرح داخل ہوں گے اور سیف کھولنے کے قابل کس طرح ہوں گے؟''

''یہ کیا مشکل ہے!'' فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

''کیا کہا...... یہ کیا مشکل ہے؟'' انسپکٹر پیری بان بولا۔

''ہاں! یہ کیا مشکل ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''آپ یہ چاہتے ہیں کہ کمرہ نمبر ۱۰۰ کے ملازم کو اغوا کیا جائے لیکن اس کے لیے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ ملازم کون ہے، اس کا پتا کیا ہے؟'' فرزانہ مسکرائی۔

''ہاں! یہی بات ہے۔''

''تو اس کے لیے پہلے اس دفتر کے کسی بھی آدمی کو اغوا کر لیا جائے۔ وہ ملازمین کے ریکارڈ کے بارے میں بتا دے گا، لہٰذا پہلے ریکارڈ حاصل کیا جائے گا۔ ریکارڈ ہی سے کمرہ نمبر ۱۰۰ کے ملازمین کے نام اور پتے ہمیں مل جائیں گے۔''

''اوہو، سوال تو یہ ہے کہ ریکارڈ کس طرح چرایا جائے۔''

''ریکارڈ کے بارے میں تو سبھی کو معلوم ہوگا اور اگر نہیں معلوم ہوگا تو یہ ضرور معلوم ہوگا کہ ریکارڈ کے بارے میں کون بتا سکتا ہے۔''

''بہت خوب! اب آپ کیا کہتے ہیں مسٹر پیری بان۔''

اسی وقت ان چاروں میں سے ایک بولا:

''جناب! آپ سوچ کر ہمیں بتا دیجیے گا، ہم چلتے ہیں، ہمارا یہاں زیادہ دیر تک رکنا ہم سب کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، آپ لوگ جائیے۔''

وہ چاروں چلے گئے تو انسپکٹر پیری بان بولا:

''میرا خیال ہے۔ اس ترکیب پر عمل کیا جا سکتا ہے لیکن کامیابی کی امید سو فیصد نہیں ہوسکتی۔''

''وہ بعد کی بات ہے، پہلے اس پر عمل تو کریں۔''

''تو پھر کل ہم اس دفتر کے کسی آدمی کو اغوا کریں گے۔''

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ایک اور ترکیب ہو سکتی ہے ابا جان!'' ایسے میں فاروق بول اٹھا۔

(جاری ہے)

اب بھی نہیں؟

عشرت جہاں

''اسلام کی بنیاد چھے ستونوں پر قائم ہے۔''

ننھے معاذ نے میری تصحیح کی۔ ''چھٹا ستون جہاد ہے ماموں جان! آپ ہار گئے۔''

معاذ نے مجھے چڑایا۔

''بچے! چھے نہیں پانچ ستون ہیں اسلام کے۔'' میں ہنس کر بولا: ''بہت نالائق ہو یار تم تو۔''

''معاذ بیٹا! ماموں جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بلاشبہ جہاد دین کی چوٹی کا عمل ہے لیکن جب ضرورت ہو۔ ورنہ حدیث مبارکہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے: اول اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوم نماز قائم رکھنا، سوم زکوۃ دینا، چہارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔'' مریم نے تفصیل سے کہا۔

معاذ غور سے سنتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔

میں نے سر کھجایا۔ چھوٹے بچے ایسی بات بھلا کب کرتے ہیں۔

''اچھا چلو چھوڑو یہ بات، اب اپنے علاقے کی کچھ سیر ویر بھی کروا دو، اتنی دور سے آیا ہوں۔'' میں نے بات کو ٹالا۔

''پہلے ٹھیک سے کھانا کھاؤ پھر سیر بھی کر لینا۔ یہاں کچھ چھپا ہوا تو نہیں، قدرت یہاں اپنی پوری رنگینیوں کے ساتھ عیاں ہے۔''

مریم نے میرے سامنے چپلی کبابوں کی ڈش رکھتے ہوئے کہا۔

''واقعی ایسے ایسے ہوش اڑا دینے والے مناظر ہیں کہ جنت کا گمان ہوتا ہے۔ تم لوگوں کے تو مزے ہیں مفت میں۔''

میں نے کبابوں سے خوب انصاف کیا۔

''مریم! میرے لیے ایسے ہی کباب اتنے بنا دینا کہ کراچی پہنچنے تک ختم نہ ہوں۔''

چٹخارے لیتے میں نے فرمائش بھی کر ڈالی۔

''تم نہیں بدلو گے۔'' وہ ہنسی۔

''لیکن تم ضرور یکسر بدل گئی ہو۔''

میں نے سوچتے ہوئے در و دیوار پر نظر ڈالی جہاں چند ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ معاذ کی معیت میں ہم قصبے کی سیر کو چل دیے۔

مریم کی شادی کے بعد دادی جان کے کہے الفاظ میرے دماغ میں گونجنے لگے۔

''قسمت کا پھیر انسان کو جہاں چاہے لے جائے۔''

یقین نہیں آتا تھا کہ میری پڑھائی میں ٹاپر بہن پاکستان کے اِس دور دراز، دشوار گزار پہاڑی علاقے میں خوش باش زندگی گزار لے گی بلکہ ایک منفرد مقصد حیات کو بھی اپنا لے گی۔

ہم دونوں جڑواں بہن بھائی تھے اور ہماری شادی بھی اکٹھی ہوئی تھی۔

کچھ عرصے بعد مریم اپنے شوہر کے ساتھ اِس پہاڑی علاقے میں آن بسی تھی۔ امی ابو کو تشویش تھی اور ہم بہن بھائیوں کو بہن سے دوری پر افسوس لیکن ہم اپنے ماحول اور ضروریات کے قیدی بن گئے، اور مریم اپنی ذمے داریوں میں الجھ گئی۔

یکے بعد دیگرے اس کے ہاں تین بیٹے بھی ہو گئے۔ طویل عرصے بعد اس کا کراچی آنا ہوتا۔ میرے بھی دو بچے تھے۔ انھیں زندگی کی ہر آسائش فراہم کرنے کے لیے میری تگ و دو بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھار اگر ذرا سا سوچنے کا وقت ملتا تو پہلا خیال مریم کی طرف جاتا کہ وہ اور اس کے بچے کیسے اتنی مشکل زندگی گزار رہے ہوں گے؟ لیکن مریم ہمیشہ خود کو خوش باش ظاہر کرتی۔ نہ اس نے امی ابو سے کبھی کوئی گلہ کیا نہ شکایت۔

میں سوچتا جا رہا تھا۔

''ماموں جان! یہ دیکھیے اُس جگہ ہم نشانے بازی کی مشق کرتے ہیں۔''

معاذ نے گھر کے پچھلے صحن کے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تیتر بٹیر مارنے کے لیے۔'' میں از راہِ مذاق بولا۔

''ارے نہیں، کشمیر اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کے لیے ماموں جان۔'' وہ جوش سے بولا۔

''چہ پدی، چہ پدی کا شوربہ'' میں ہنس پڑا۔ ''تمھارے اماں ابا نے کیا گھول کر پلایا ہے تمھیں؟'' وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

''بیت المقدس کی آزادی کے لیے ہم جہاد کریں گے ماموں جان!''

یکدم وہ پھر سے پر جوش ہو گیا۔ ''میں مجاہد بنوں گا۔''

''یار یہ اکیسویں صدی ہے۔ یہ جنگ و جدل کا نہیں مذاکرات کا دور ہے۔ اب اگر کسی کو کسی سے شکایت ہوتی ہے تو بات چیت سے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے، اِن تیروں تلواروں سے نہیں۔'' میں نے دیوار پر لگے ہتھیاروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''دنیا بہت مہذب ہو گئی ہے، اعلیٰ دماغ پڑھے لکھے لوگ مسائل کا حل چٹکیوں میں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔'' میں رسان سے بولا۔

''اور عمل کتنا ہوتا ہے؟'' مریم نجانے کب آ کھڑی ہوئی تھی۔

''اگر تمھارے اعلیٰ دماغ پڑھے لکھے لوگ جن سے تم جیسے لوگ مرعوب ہو، وہ ڈگری ہولڈرز مسائل کا حل نکال لیتے ہیں تو دنیا میں افراتفری کیوں ہے؟ یہ عقوبت خانے، ظلم، ناانصافی، رسہ کشی کیوں ہے؟ مسلمان کا خون ارزاں کیوں ہے؟ رونا کیوں ہے؟ شہادتیں کیوں ہیں؟''

''مریم ہائپر ہو رہی ہوں تم تو خوامخواہ! اس محدود سے قصبے میں محدود ماحول میں رہ کر تمھاری سوچ بھی محدود ہو چکی ہے۔ بچوں پر ظلم کر رہی ہو۔ ان معصوموں کو جہاد قتال جیسے سبق پڑھائے جا رہے ہیں، ابھی یہ بچے ہیں مریم۔'' میں اپنی بات پر زور دیتے بولا۔

''فلسطینیوں، کشمیریوں کے بھی بچے ہیں بھائی! جنھیں آئے دن اپنے ہی خون میں نہلایا جا رہا ہے، جوان میتیں اٹھائی جا رہی ہیں اور ہم کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔''

اس کے لہجے میں جنون در آیا تھا۔

"دراصل ہم کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے، اپنی بنائی جنتوں میں خوش ہیں۔"

"اچھا بھئی چھوڑو اس لاحاصل بحث کو، یہ بتاؤ رات کے کھانے میں دنبہ ونبہ بھون رہی ہو یا کچھ اور ہے؟"

"ایک دن تم سمجھ جاؤ گے بھائی! ضرور سمجھو گے۔" وہ گہری سانسیں لیتی تیقن سے بولی۔

مریم کے جنون نے مجھے خوف زدہ کر دیا تھا۔

"اگر میرے بچوں میں بھی یہ جراثیم داخل ہو گئے تو پھر کیا ہوگا؟"

میں نے معاذ کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے سوچا۔

☆......☆

مریم کے دو بیٹے اور ہوئے اور میری فیملی میں بھی ایک بچے کا اضافہ ہو گیا، اس کے بعد سے ہمارا مریم سے رابطہ بہت کم ہو گیا تھا۔ آج مریم کا فون آیا تھا۔

"بھائی! معاذ فلسطین جا رہا ہے، اسے الوداع کہہ دیں۔"

"مریم! تمھارا دماغ خراب ہوا ہے، اپنے جوان بیٹے کو جان بوجھ کر آگ اور بارود کے حوالے کر رہی ہو۔"

میں پھٹ پڑا۔ میرے سامنے فلسطین کے ہولناک مناظر چل رہے تھے۔

"ان شاء اللہ تعالیٰ میں شہید بیٹوں کی ماں کہلاؤں گی، معاذ کے بعد معوذ کی بھی تیاری ہے۔" اس کے لہجے میں عجیب سا جوش تھا۔

"اب بھی نہیں تو پھر کب بھائی! پھر کب؟ جب یہ آگ اپنے گھروں تک آ پہنچے گی، تب؟" اس کے لہجے میں محبت کا ایک دریا موجزن تھا۔

☆......☆

اور آج میں ایک بار پھر سوچوں کے سمندر میں غلطاں بیٹھا تھا۔

میرے سامنے ایک جوان میت اور لوگوں کا جم غفیر تھا۔ لوگ شہید کے ماتھے کو بوسہ دے رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا، کیا یہ مذاکرات کا دور ہے؟

کیا اعلیٰ دماغ مہذب ہو چکے ہیں؟

کیا دنیا سے ظلم، وحشت، تعصب، نفرت، امتیازی سلوک، عقوبت خانے ختم ہو چکے ہیں!؟

☆☆☆

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات

- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

تابعین کے واقعات

- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

''اے بنو عامر! کیا اب اس کی تلافی کی کوئی سبیل ممکن ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ بنو اسماعیل میں سے کسی نے آج تک نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا اور اس کا یہ کہنا کہ وہ نبی ہے، یقیناً سچا دعویٰ ہے۔ اے بنو عامر! اس وقت تمہاری عقل کہاں چرنے چلی گئی تھی؟

''بنو بکر بن وایل کا رئیس اعشیٰ بن قیس عرب کا مشہور و معروف شاعر تھا۔ اس کا قبیلہ مکہ سے کچھ فاصلے پر آباد تھا۔ وہ محمدؐ بن عبداللہ کے سیرت و اخلاق سے بہت متاثر تھا۔ اس نے ان کی شان میں ایک طویل قصیدہ بھی لکھا جس میں اس نے حضور کے خصائل حمیدہ کے ساتھ ساتھ اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار بڑی وارفتگی سے کیا تھا۔ وہ اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے گھر سے روانہ ہوا۔ مکہ کے قریب اس کی ملاقات ایک جاننے والے مشرک سے ہوگئی۔

اس نے پوچھا: ''اے ابوبصیر! کدھر کا ارادہ ہے؟''

''قبولِ اسلام کے لیے محمدؐ بن عبداللہ کے ہاں حاضر ہو رہا ہوں۔''

''تم اسلام قبول کرنے تو جا رہے ہو لیکن تمھیں علم ہے کہ اس مذہب میں برائی قطعاً حرام ہے، تم اس کے بغیر کیسے صبر کرسکو گے؟''

مشرک نے اسے اسلام سے بدکانے کی کوشش کی۔

''اللہ کی قسم! اب مجھے برائی کی کوئی خواہش نہیں رہی۔''

''اسلام تو شراب کو بھی حرام قرار دیتا ہے کیا تم شراب سے اجتناب کرسکو گے؟''

مشرک نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا، حالانکہ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات سن کر وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا:

''بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے، نفس اس پر شاید قادر نہ ہو۔''

اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر کہنے لگا: ''اچھا اب تو میں واپس جاتا ہوں۔ ایک سال اس مسئلے پر غور کروں گا، آئندہ سال پھر آؤں گا۔''

اعشیٰ کی حرماں نصیبی اسے واپس لے گئی اور موت نے اسے اگلے سال حاضر ہونے کی مہلت ہی نہ دی۔

رکانہ بن عبد یزید مکے کی ایک گھاٹی میں گھوم رہا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔

اسے تنہا پا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنیمت جانا کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے: ''اے رکانہ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا اور جس بات کی میں دعوت دیتا ہوں، اسے قبول نہیں کرتا؟''

''اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ حق ہے تو میں اسے ضرور قبول کرلیتا اور آپ کی پیروی کرتا۔''

رکانہ نے جواب دیا۔ وہ مکے کا بہت بڑا پہلوان تھا اس لیے اللہ کے نبی نے اسے کہا:

''اگر میں تمہیں کشتی میں پچھاڑ دوں تو پھر تسلیم کرلو گے کہ میری دعوت سچی ہے؟''

''بے شک۔'' رکانہ نے کہا۔ اسے زعم تھا کہ اسے جیسے شہ زور پہلوان کو پچھاڑنا بچوں کا کھیل نہیں۔

تو پھر اُٹھ اور مجھ سے کشتی لڑ۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چیلنج دیا۔

رکانہ غرّاتا ہوا اٹھا اور خم ٹھونک کر آپ کے مقابل کھڑا ہوگیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پکڑا اور چشم زدن میں اس طرح چت گرا دیا کہ وہ بالکل بے بس تھا۔

وہ دامن جھاڑتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا: ''اے محمدؐ! دوبارہ کشتی لڑو۔''

آپ نے اسے پکڑ کر پھر پٹخ دیا۔

اس نے کہا: ''اے محمدؐ! یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے کہ آپ نے میرے جیسے پہلوان کو پچھاڑ دیا۔''

''اس سے بھی زیادہ عجیب بات اگر تو چاہے تو تجھے دکھا دوں، اس شرط پر کہ تو اللہ سے ڈرے اور میری اطاعت کرے۔''

''وہ کیا ہے؟''

''تیری خاطر میں اس درخت کو جو تو دیکھ رہا ہے، بلاؤں تو وہ چل کر آ جائے گا۔''

''اچھا بلائیے۔'' رکانہ کے کہنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کو اپنی طرف بلایا۔

وہ آ کر اللہ کے رسول کے سامنے کھڑا ہوگیا، پھر آپ نے اس درخت کو کہا:

''اپنی جگہ واپس چلا جا۔''

یہ سن کر درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر رکانہ شرمندہ شرمندہ سا اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ (جاری ہے)

(ابن کثیر کی ایک روایت کے مطابق رکانہ مسلمان ہوگیا تھا)

کچھ غیر معمولی ریکارڈ

طالب علم کا منفرد ریکارڈ:

۳۰ مئی ۱۹۷۵ء کو طالب علم ڈان کارٹر ہل میکلائے نے ہائی اسکول مشی گن (امریکی ریاست) میں ۸ گھنٹے ۴۶ منٹ تک ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے کا ریکارڈ قائم کردیا۔ حیرت انگیز بات یہ کہ اس دوران اس نے ایک مرتبہ بھی اپنی ٹانگ کو حرکت نہ دی۔

۵۰ گھنٹے ۶ منٹ تک لیکچر:

امریکا کے رونلڈ لیکی نے مارگنزا کے ایک ہائی اسکول میں پچاس گھنٹے چھ منٹ تک (25-27 اپریل 1974ء) لیکچر دیا۔ اس دوران اس نے ہر دو گھنٹے بعد صرف دو منٹ کا وقفہ کیا۔ لیکچر کے دوران اس کے بولنے کی رفتار میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔

غبارہ اڑانے کا ریکارڈ:

برطانوی غبارہ باز ۶۲ سالہ ڈیوڈ ہیمپل مین ایڈمز ۱۲۸۰۱ میٹر کی بلندی تک غبارہ اڑا کر ۲۲ مارچ ۲۰۰۴ء کو عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

زندگی بھر بیمار نہ ہوا:

جنوبی بوسٹن (امریکا) کا جیمز اینڈرسن ۹۱ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اتنی طویل عمر پانے کے باوجود وہ زندگی میں ایک بار بھی بیمار نہ ہوا۔

سب سے کم عمر عینک لگانے والا:

کولمبس کے کارل بارٹلز نے صرف چھ ماہ کی عمر میں عینک لگانا شروع کردی تھی۔ یوں اسے دنیا کا سب سے کم عمر عینک لگانے والا کہا جاتا ہے۔

ہادیہ بنت عبداللہ امین۔ بہادر آباد، کراچی

قرآن کریم

محمد اسامہ سَرسَری

آیتِ کریمہ:

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞۔

ترجمہ: الم۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈرر کھنے والوں کے لیے۔ (سورۂ بقرہ)

حدیثِ مبارک:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (مسند احمد)

مسنون دعا:

أَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ أَمَتِكَ فِي قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ نُورَ صَدْرِي، وَرَبِيعَ قَلْبِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي وَغَمِّي.

مفہوم: میں تیرا بندہ ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں، تیرے قبضے میں ہوں، میری پیشانی تیرے دستِ قدرت میں ہے، مجھ میں تیرا حکم نافذ ہے، مجھ میں تیرا فیصلہ انصاف والا ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر اس نام کے ذریعے جو تیرا ہے، جو تونے خود اپنا نام رکھا ہے یا اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے یا تو نے اسے اپنے پاس علم غیب میں محفوظ کررکھا ہے کہ قرآن کو میرے سینے کا نور، میرے دل کی بہار، میرے غم کو دور کرنے والا اور میری پریشانی اور غم کو دور کرنے والا بنادے۔

(عمل الیوم واللیل لابن السنی)

فضیلت:

یہ دعا مانگنے سے غم دور ہوتے ہیں اور خوشیاں طویل ہوتی ہیں۔

فقہی مسئلہ:

قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا سنت ہے۔ (المبسوط للسرخسی)

☆☆☆

اچھی خبریں

یہ واقعہ اسی سال ۹ محرم کے دن کا ہے، جب میرا سب سے چھوٹا بھائی محمد حماد الرحمن جس کی عمر ۴ برس ہے، گلی میں کھیلتے ہوئے گر گیا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس وقت میرے ابو گھر پر نہیں تھے، لاہور گئے ہوئے تھے۔ ہماری ایک محلے دار نے فوراً میرے بھائی کو گود میں لے کر اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا کیا کیونکہ اس کا ہاتھ کلائی سے لٹک گیا تھا۔

میری بہن گلی ہی میں تھی، وہ روتی ہوئی گھر آئی اور آکر کہا کہ امی حماد کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔ امی اور میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ خیر وہ مہربان محلے دار ہمارے دروازے پر آئے اور میری امی سے پوچھا کہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کو اسپتال لے جاؤں؟

بھائی بہت چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ میری امی نے روتے ہوئے کہا کہ جی لے جائیں۔ انھوں نے میری خالہ کے بیٹے کو بلایا (میری خالہ کا گھر ہمارے گھر کے ساتھ ہی ہے) اور پھر اس کے ساتھ موٹر سائیکل پر اسپتال کی ایمرجنسی لے گئے۔ چونکہ ایام محرم کی وجہ سے ڈبل سواری پر پابندی تھی تو راستے میں انھیں روکا بھی گیا لیکن جب بتایا گیا کہ بچے کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے تو پھر جانے دیا۔

ایمرجنسی جاکر بھائی کے ہاتھ کا ایکسرے کروایا تو پتا چلا کہ ایک جگہ سے ہڈی ٹوٹی ہے اور ایک جگہ سے فریکچر ہوا ہے۔ انہوں نے پلستر چڑھا دیا اور حماد گھر آ گیا۔

اللہ ان چاچو کو اور خالہ زاد بھائی کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے ہماری مشکل وقت میں مدد کی۔ حتیٰ کہ ہم نے شکریے کے ساتھ پلستر چڑھانے پر جو خرچہ ہوا تھا وہ دینا چاہا تو وہ بھی انھوں نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ یہ میرا بھانجا ہے۔

قارئین! میرے بھائی کے لیے دعا کریں کہ جلد از جلد اس کا پلستر اتر جائے اور اس کی شرارتیں بھی کچھ کم ہوجائیں، کیونکہ صاحبزادے گلی میں چھلانگیں لگاتے ہوئے ہی تو گرے تھے۔

(ہادیہ مناہل۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

لطائف

☆ ایک دیہاتی سڑک کے بیچوں بیچ چلا جارہا تھا۔ پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی۔ ''بھائی! ذرا سڑک کے کنارے ہو کر چلو پیچھے سے ٹرک آرہا ہے۔''

دیہاتی بے ساختہ بولا: ''آپ بے فکر رہیں جی، میرے اوپر سے ہوائی جہاز گزر جاتے ہیں، ٹرک تو معمولی چیز ہے۔''

☆ ایک دیہاتی سر پر گٹھری لیے انسپکٹر کے پاس آیا اور بولا: ''جناب......''

انسپکٹر (بات کاٹتے ہوئے): ''پہلے تشریف رکھیے۔''

دیہاتی خوف سے زرد پڑ گیا۔

انسپکٹر (غصے سے) ''جی تشریف رکھو۔''

دیہاتی: ''مم...... مم...... مگر میرے پاس تشریف نہیں ہے جی بس یہ گٹھڑی ہے۔ یہ رکھ سکتا ہوں۔''

(مرسلہ: یامین تسلیم۔ کراچی)

☆☆☆

آپ کتنے پانی میں ہیں؟ ۲۴

درج ذیل سوالات کے جوابات سوچیے، پھر انھیں ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں۔ اگلے ہفتے کے شمارے میں جوابات شائع ہوں گے تو اس سے اپنے جوابات ملا لیجیے۔ آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں......!

(۱) ہجرت کے وقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟

(۲) اللہ پاک نے قرآن مجید میں کس درخت کی قسم کھائی ہے؟

(۳) کوئٹہ کا پرانا نام جانتے ہیں؟

(۴) مکران کا علاقہ کس مسلمان خلیفہ کے عہد میں فتح ہوا تھا؟

(۵) وہ کون سا رنگ ہے جسے انسانی آنکھ سب سے پہلے اور واضح دیکھتی ہے؟

امن ارشد

مطالعے کا ذوق

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں کمرے میں داخل ہوا تو سبھی لڑکے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں نے موبائل نکال کر اپنی ایک کہانی مکمل کرنا شروع کر دی کیوں کہ کبھی کبھار دوسروں کی مشاغل کے بیچ میں ٹانگ اڑانے سے ٹانگ ٹوٹ بھی جایا کرتی ہے۔

ابھی میں نے چند سطریں ہی لکھی تھیں کہ فرحان کمرے میں داخل ہوا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' فرحان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سوال داغ دیا۔

''کچھ خاص نہیں یار! ایک کہانی لکھ رہا ہوں۔''

میں نے موبائل کی اسکرین پر انگلیاں پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ......اچھا اچھا۔'' فرحان نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر وہ میری کمپوز کرتی انگلیاں دیکھتا رہا پھر بولا:

''یار! ویسے یہ کہانیاں لکھنے لکھانے سے بھلا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ سیرتِ مصطفی یا سیرتِ صحابہ پر کوئی کام کرو۔ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو؟''

میں سمجھ گیا کہ آج پھر اس نے میرا وقت ضائع کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے۔

''فرحان! میں بچوں کے لیے کہانیاں اس لیے لکھتا ہوں کیونکہ وہ ہماری قوم کا اصل سرمایہ ہیں۔ ہمارا مستقبل انھی بچوں پر منحصر ہے۔ اِس لیے ان کی تعلیم و تربیت کی زیادہ ضرورت ہے اور چونکہ کہانی شوق سے پڑھی جاتی ہے، اس لیے میں معاشرتی یا اصلاحی انداز میں کہانی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں جس میں دراصل سیرت النبی اور سیرت صحابہ ہی بیان ہوتی ہے۔''

''اب تم پھر سے میرا دماغ چاٹنا مت شروع کر دو۔''

فرحان نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

ارے واہ! بات تو تم نے شروع کی تھی، ویسے تمھارے دماغ کو کیا شہد لگا ہے جو میں چاٹوں گا؟''

میری اس بات پر پاس بیٹھا عبدالرحمن ہلکی سی آواز میں کھی کھی کرنے لگا۔

''بہرحال میرے نزدیک تو کہانی اور ناول وغیرہ لکھنا وقت کا ضیاع ہے اور ویسے بھی آج کل کتابیں کون پڑھتا ہے؟ سوشل میڈیا کا دور ہے۔ لوگ ویڈیوز وغیرہ سے دل بہلاتے ہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''جی بالکل......لیکن کتاب پڑھنے والوں کا شوق اب بھی برقرار ہے بلکہ اب تو اچھی کتاب لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہو رہی ہے۔ عائض القرنی کی کتاب ''لاتحزن'' کا اردو ترجمہ ''غم نہ کریں'' شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب ایک لاکھ سے زیادہ فروخت ہوئی ہے، اسی طرح بے شمار کتابیں ہیں جن کے نت نئے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل جاتے ہیں، جیسے مدیر بھائی محمد فیصل شہزاد کی سفرنامے کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے ہیں۔''

اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔

''ہاں یار! تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو، شاید ہم ہی پڑھنے کے ذوق سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔ چلو ان شاء اللہ میں بھی کتابوں کا مطالعہ شروع کروں گا۔''

فرحان نے میری بات کی تائید کی تو میرے منہ سے برجستہ الحمدللہ نکل گیا۔ کتاب پڑھنے یا لکھنے والوں کے بارے میں اس کے جو شکوک و شبہات تھے، وہ زائل ہو چکے تھے۔

''جی فرحان! ہمیں چاہیے کہ ہم خود کتب خوانی کی لذت محسوس کریں اور اگر کتاب پڑھنے کا دل نہیں بھی کرتا تب بھی ہم کم از کم اچھی کتاب پڑھنے یا اچھا لکھنے والوں کو غلط تو نہ ٹھہرائیں۔''

میں نے گفتگو کو آخری رخ دے کر بات ختم کی ہی تھی کہ موذن نے اذان کی صدا بلند کر دی اور ہم نماز کی تیاری کرنے میں مشغول ہو گئے۔

☆☆☆

درود و سلام کے مسنون صیغے

12

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد السعید'' کے نام سے صلوٰۃ و سلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں:

''جو صیغے صلوٰۃ و سلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔''

انھی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود و سلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروایئے۔ اس طرح درود و سلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر ازروئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا بارھواں صیغہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

سلام کا بارھواں صیغہ:

اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ.

* * *